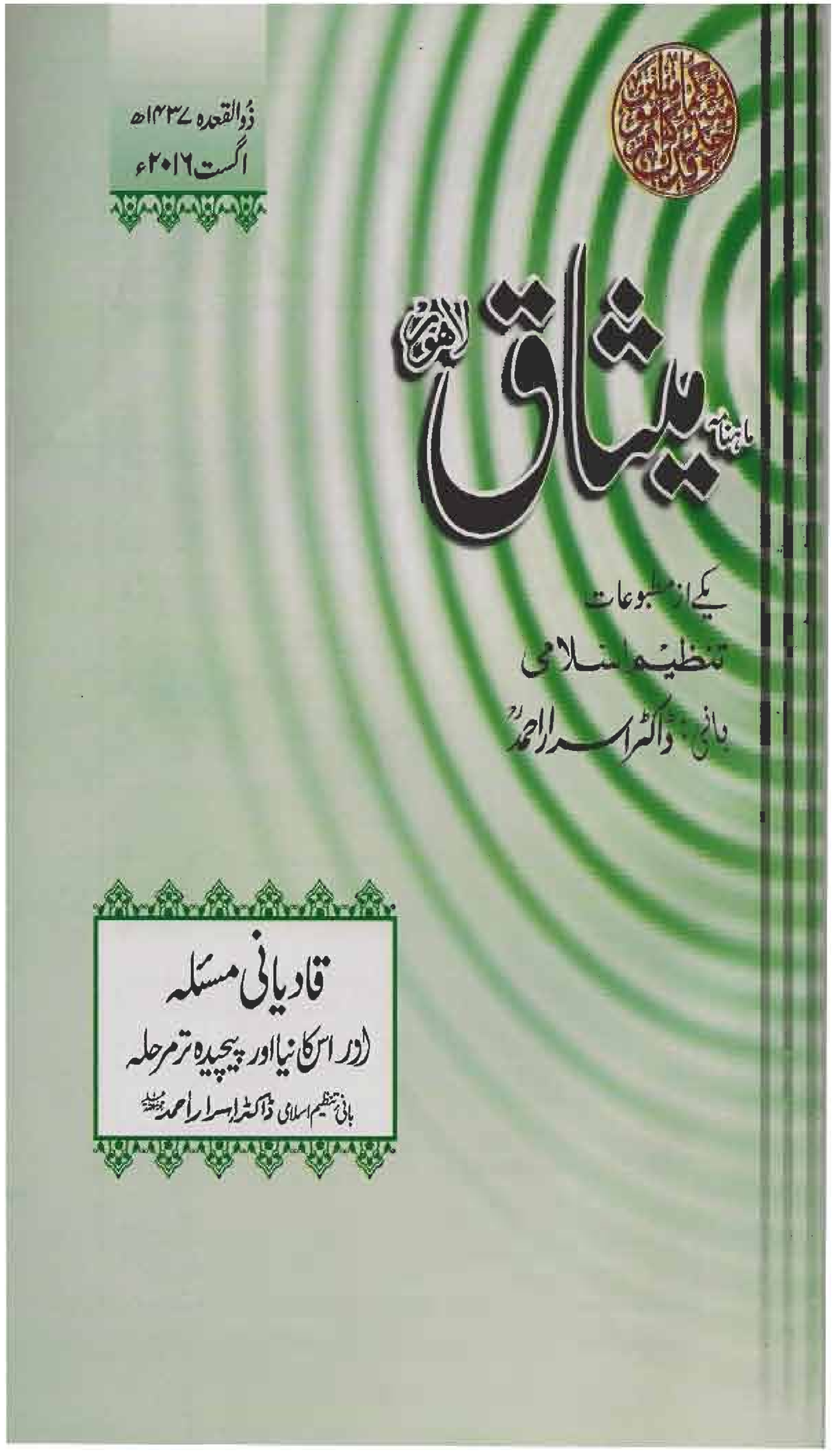

ذوالقعدہ ۱۴۳۷ھ
اگست ۲۰۱۶ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

قادیانی مسئلہ
اور اس کا نیا اور پیچیدہ تر مرحلہ

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ

داخلے جاری ہیں

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
کے زیر اہتمام

رجوع الی القرآن کورسز
(پارٹ I اور II)

جاری کردہ: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

یہ کورسز بنیادی طور پر تعلیم یافتہ افراد کے لیے ترتیب دیے گئے ہیں' تاکہ وہ حضرات جو کم از کم انٹرمیڈیٹ کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں' ان کورسز کے ذریعے ان کو ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے۔ ہفتے میں پانچ دن روزانہ صبح کے اوقات میں تقریباً پانچ گھنٹے تدریس ہوگی۔ ہفتہ وار تعطیل ہفتہ اور اتوار کو ہوگی۔

نصاب (پارٹ I) برائے مرد وخواتین

1. عربی صرف ونحو
2. ترجمۂ قرآن
3. آیاتِ قرآنی کی صرفی ونحوی تحلیل
4. قرآن حکیم کی فکری وعملی راہنمائی
5. تجوید و ناظرہ
6. مطالعۂ حدیث و فقہ العبادات
7. اصطلاحاتِ حدیث
8. اضافی محاضرات

نصاب (پارٹ II) برائے مرد حضرات

1. مکمل ترجمۃ القرآن (مع تفسیری توضیحات)
2. مجموعۂ حدیث
3. فقہ
4. اصولِ تفسیر
5. اصولِ حدیث
6. اصولِ فقہ
7. عقیدہ
8. عربی زبان وادب
9. اضافی محاضرات

- کلاسز کا آغاز یکم اگست بروز سوموار سے ہو رہا ہے
- خواہش مند خواتین وحضرات داخلہ کے لیے رابطہ کر سکتے ہیں
- پارٹ II میں خواتین کی شرکت کا انتظام نہیں ہے

نوٹ: داخلہ کے خواہشمند یکم اگست تک اپنی رجسٹریشن ضرور کروالیں۔ رجسٹریشن نہ ہونے کی صورت میں لیٹ داخلہ نہیں دیا جائے گا۔

پارٹ I میں داخلے کے لیے انٹرمیڈیٹ پاس ہونا اور پارٹ II میں داخلے کے لیے رجوع الی القرآن کورس (پارٹ I) پاس کرنا لازمی ہے

برائے رابطہ: قرآن اکیڈمی
36-K ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 35869501-3
email:irts@tanzeem. org

ندیم سہیل
0322-4371473

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد : 65
شمارہ : 8
ذوالقعدہ 1437ھ
اگست 2016ء
فی شمارہ -/30

مُدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون
- اندرون ملک 300 روپے
- بھارت و بنگلہ دیش 900 روپے
- ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ 1200 روپے
- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ 1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700، فون: 3-35869501
فیکس: 35834000، ای میل: maktaba@tanzeem.org
ای میل برائے ادارتی امور: publications@tanzeem.org
ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور
فون: 36316638 - 36366638
پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال — 5
تحریکِ آزادیٔ کشمیر کا فیصلہ کن مرحلہ
اور عالمِ اسلام کی غفلت — ادارہ

بیانُ القرآن — 9
سورۃ الشُّعراء (آیات ۱ تا ۶۸) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

گاہے گاہے باز خواں — 26
قادیانی مسئلہ: اور اس کا نیا اور پیچیدہ تر مرحلہ — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

تذکّر و تدبّر — 43
قرآن کریم کی اُصولی باتیں (۱۱) — ڈاکٹر عمر بن عبداللہ المقبل

نقوشِ سیرت — 53
واقعہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ — حافظ انجینئر عمیر انور

تذکیر و موعظت — 72
مصائب و آلام کی حقیقت — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

دعوتِ فکر — 77
''تو'' ہر جگہ موجود ہے! — بیگم ڈاکٹر عبدالخالق

نقد و نظر — 85
مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے افکار
اور تنظیمِ فکرِ ولی اللّٰہی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ — شکیل عثمانی

یادِ رفتگاں — 91
حاجی عبدالواحد صاحبؒ کی یادداشتیں (۸) — پروفیسر حافظ قاسم رضوان

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

تحریکِ آزادیٔ کشمیر کا فیصلہ کن مرحلہ اور عالمِ اسلام کی غفلت

مقبوضہ کشمیر میں بھارت کے غاصبانہ قبضے اور بھارتی فورسز کی درندگی اور ظلم وستم کے خلاف مزاحمت اور احتجاج کی تازہ لہر میں بھارتی غاصب فوج کے ہاتھوں اب تک ۵۰ کے قریب کشمیری شہید اور تین ہزار کے لگ بھگ زخمی ہو چکے ہیں‘ جن میں بچے‘ عورتیں اور بزرگ کشمیری بھی شامل ہیں۔ ۸ جولائی ۲۰۱۶ء کو کشمیری عوام کے ہر دلعزیز نوجوان کمانڈر برہان وانی کی غاصب فوج کے ہاتھوں شہادت کے بعد اہلِ کشمیر کا یہ احتجاج تحریک آزادیٔ کشمیر کی تاریخ میں ایک نیا اور سنہری باب رقم کر چکا ہے۔ مشتعل کشمیری نوجوان‘ بچے اور عورتیں ہاتھوں میں پتھر اُٹھائے بھارتی فوجوں پر یلغار کر رہے ہیں اور جواب میں بزدل بھارتی فوج گولیاں برسا رہی ہے اور پیلٹ گن سے فائر کیے جا رہے ہیں۔ آئے روز شہادتوں میں اضافہ ہو رہا ہے اور سینکڑوں نوجوان اور بچے اپنی آنکھوں کی بینائی سے محروم ہو رہے ہیں۔ سینکڑوں بے گناہ کشمیری نوجوانوں اور رہنماؤں کو گرفتار بھی کیا جا چکا ہے‘ لیکن جبر وتشدد کے یہ سارے ہتھکنڈے بھی کشمیری عوام کے عزم اور حوصلہ کو ماند نہیں کر پائے اور ان میں جوش اور ولولہ ہر نئی شہادت کے بعد بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ وادی کے تمام دس اضلاع میں سخت کرفیو نافذ ہے۔ ٹیلی فون‘ انٹرنیٹ اور اخبارات کی اشاعت پر پابندی عائد کر دی گئی ہے‘ لیکن اس کے باوجود حالات بھارتی افواج کے قابو میں نہیں آ رہے۔

دوسری طرف حریت قیادت نے بھی موقع کی مناسبت سے انتہائی اہم قدم اُٹھایا ہے جو قابلِ تحسین ہے۔ کل جماعتی حریت کانفرنس کے رہنما سید علی گیلانی نے اتوار کو عالمی اداروں اور سربراہانِ مملکت کے نام ایک طویل مکتوب میں کشمیر میں شورش کو ختم کرنے اور خطے میں پائیدار امن کی ضمانت کے لیے چار نکات پر مشتمل امن فارمولہ پیش کیا ہے۔ حریت قیادت نے یہ مکتوب اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل‘ امریکہ‘ برطانیہ‘ فرانس‘ چین اور روس جیسے ممالک کے سربراہان‘ سارک ممالک اور جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک کی تنظیم آسیان اور اسلامی ممالک کی تنظیم OIC کے علاوہ پاکستان‘ ایران‘ سعودی عرب اور ترکی کے سربراہانِ مملکت کو ارسال کیا ہے۔ خط میں حریت قیادت نے عالمی برادری سے اپیل کی ہے کہ اپنا اثر ورسوخ استعمال کرتے ہوئے انڈیا کو کشمیر سے

متعلق فوجی پالیسی تبدیل کرنے پر آمادہ کریں۔ حریت قیادت کے چار نکات درج ذیل ہیں:

(۱) جموں کشمیر کی متنازعہ حیثیت اور اس کے باشندوں کا حق خودارادیت تسلیم کیا جائے۔

(۲) کشمیریوں کی نسل کشی پر مبنی فوجی قوانین ختم کیے جائیں اور قابض بھارتی فوج کو آبادی والے علاقوں سے نکالا جائے۔

(۳) تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کیا جائے‘ نظر بندی کے کلچر کا خاتمہ کیا جائے اور مسئلہ کشمیر سے متعلق تمام سیاسی مکاتبِ فکر خاص طور پر حق خودارادیت کے حامی سیاسی رہنماؤں کو سیاسی سرگرمیوں کی آزادی دی جائے۔

(۴) اقوام متحدہ کے خصوصی مبصّرین اور انسانی حقوق کے عالمی اداروں کے مشاہدین کو کشمیر کا دورہ کرنے کی اجازت دی جائے۔

بھارت ان نکات کو تسلیم کرے یا نہ کرے لیکن حریت قیادت کے ان چار نکات نے کشمیر کی متنازعہ حیثیت کو دنیا کے سامنے پہلے سے انتہائی زیادہ قوت کے ساتھ لا کھڑا کیا ہے اور اس کے ساتھ ہی کشمیر پر بھارتی دعویٰ کی حیثیت کو بھی بے معنی ثابت کر دیا ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ حریت قیادت نے کھل کر اور علی الاعلان ایسا فیصلہ کن قدم اٹھایا ہے۔ کشمیری عوام کے عزم اور حوصلے اور حریت قیادت کے اس فیصلہ کن اقدام سے تحریک آزادی انتہائی اہم اور فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکی ہے اور وہ تحریک آزادیٔ کشمیر جو عالمی برادری کی منافقت‘ مسلم ممالک کی غفلت اور پاکستانی حکمرانوں کے پسپائی پر مبنی رویے کے باعث دم توڑتی دکھائی دے رہی تھی اور کشمیری مسلمانوں کی بے انتہا قربانیاں رائیگاں ہوتی محسوس ہو رہی تھیں‘ خاص طور پر مشرف کا کشمیر کے حوالہ سے بیک فٹ پر جانا اور دوسری طرف بھارتی جنتا پارٹی اور انتہا پسند ہندو جتھوں کی آرٹیکل ۳۷۰ پر یلغار کے بعد دنیا محسوس کر رہی تھی کہ شاید مسئلہ کشمیر دوبارہ سر نہ اُٹھا سکے۔ بالخصوص بی جے پی کی موجودہ حکومت میں آرٹیکل ۳۷۰ کا خاتمہ ہندوتوا کا پرانا خواب تھا کیونکہ بی جے پی کا جنم ہندوتوا کی اسی غاصبانہ سوچ کے نتیجے میں ہی ہوا۔ جنتا پارٹی کا جنم جن سنگھ نامی انتہا پسند ہندو تنظیم سے ہوا اور جن سنگھ ۱۹۵۱ء میں بدنام زمانہ ہندو انتہا پسند شیام پرساد مکرجی نے بنائی اور یہ سنگھ پریوار یا آر ایس ایس (راشٹریہ سیویم سیوک سنگھ) کا سیاسی روپ تھی۔ یہ وہی شیام پرساد تھا جس نے کشمیر سے متعلقہ آرٹیکل ۳۷۰ ختم کرنے کے لیے ملک گیر تحریک چلائی۔ اس کا نعرہ تھا: ایک ملک میں دو حکومتیں‘ دو حکمران اور دو جھنڈے نہیں چلیں گے۔ شیام پرساد پنڈت مدن موہن مالویہ اور لالہ لاجپت رائے مشہور ہندو مہا سبھائی لیڈروں کے ہمنوا اور شاگرد تھے جنہوں نے فسادات برپا

کرنے کے لیے بجرنگ دل قائم کی اور انہی درندوں نے اکتوبر ۱۹۴۷ء میں جموں میں دو لاکھ مسلمانوں کو شہید کر دیا تھا۔ اکھنڈ بھارت ان راہنماؤں کا خواب تھا۔ کشمیر کی حکومت پر قبضہ کرنے اور آرٹیکل ۳۷۰ کو ختم کرنے کی غرض سے جب شیام پرساد نے ہندوؤں کے ساتھ سری نگر کی طرف مارچ کیا تو شیخ عبداللہ نے اسے قید کر کے بدترین سزا دینے کے لیے اندھیری کوٹھڑی میں ڈال دیا' جہاں اس کی موت ہوگئی۔ اسے قتل قرار دینے کے لیے ولبھ بھائی پٹیل نے ملک گیر ہڑتال کروائی' جس کے نتیجے میں پنڈت نہرو نے شیخ عبداللہ کو کشمیر کے اقتدار سے برطرف کر دیا۔ یوں ہندو وقتی طور پر ٹھنڈے پڑ گئے' لیکن شیام پرساد کی ہلاکت کے زخم ہندوتوا کے سینے پر تازہ رہے۔ لہٰذا ۱۹۷۷ء میں جن سنگھ سے جنتا پارٹی بنی اور ۱۹۸۰ء میں بھارتی جنتا پارٹی میں تبدیل ہوگئی۔ اپنے پچھلے دور حکومت میں کئی متضاد پارٹیوں کے ساتھ اشتراک کی وجہ سے اس کی تمام توجہ اپنی حکومت بچانے اور اقتدار کے مزے لوٹنے پر مرکوز رہی۔ مگر اس مرتبہ اکثریت ملتے ہی ہندو مہا سبھا' آر ایس ایس' وشنو ہندو پریشد' بجرنگ دل' جن سنگھ سب اکٹھے ہو گئے اور بھارتی لوک سبھا میں جنتا پارٹی کی تاریخی برتری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جموں و کشمیر کی متنازعہ حیثیت کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے درپے ہوگئے۔ ان کے راستے میں واحد دیوار آرٹیکل ۳۷۰ تھی۔ اس دیوار کے گرتے ہی کشمیر ہمیشہ کے لیے بھارتی جاگیر بن جاتا۔

اکتوبر ۲۰۱۵ء میں مقبوضہ جموں کشمیر ہائیکورٹ میں جج حسنین مسعودی' راج کوتوال پر مشتمل ڈویژنل بینچ نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ کشمیر کی متنازعہ حیثیت کے پیش نظر آرٹیکل ۳۷۰ میں کسی قسم کی ترمیم یا منسوخی نہیں کی جاسکتی۔ لیکن اس کے باوجود بی جے پی اور اس کے پشت پناہ اپنی مذموم کوشش سے باز نہ آئے اور آرٹیکل ۳۷۰ کو ختم کرنے کا ایک نیا بہانہ ڈھونڈ نکالا۔ دنیا کے سامنے یہ بہانہ کشمیری پنڈتوں کی واپسی کا تھا لیکن اس کی آڑ میں کشمیر میں آبادی کے تناسب کو تبدیل کرنا مقصود تھا۔ دوسری طرف لاکھوں ہندو یاتریوں کو امرناتھ یاترا کے نام پر جموں و کشمیر میں ٹھونسا جانے لگا' جبکہ چند سال قبل تک امرناتھ یاترا کے لیے انڈیا سے صرف گنے چنے یاتری ان دشوار گزار راستوں میں ''کوہ پیمائی'' کی ہمت کر سکتے تھے اور یاترا کی مدت بھی صرف ۱۵ دن تک محدود تھی۔ لیکن سازش کے تحت یہ مدت پورے موسم گرما تک بڑھا دی گئی اور لاکھوں یاتریوں کی رہائش' کھانے پینے اور دیگر انتظامات کے نام پر جموں و کشمیر کی ہزاروں ایکڑ اراضی پر قبضے کا گھناؤنا منصوبہ بنا لیا گیا۔ آرٹیکل ۳۷۰ کے تحت کوئی بھارتی کشمیر میں زمین نہ خرید سکتا ہے اور نہ کسی کو الاٹ ہو سکتی ہے' لیکن مکار ہندو ذہنیت نے امرناتھ یاترا کے نام پر مذہب کی آڑ لے لی تاکہ پورا

بھارت آرٹیکل ۳۷۰ کے خاتمے کے لیے اُٹھ کھڑا ہو اور اسرائیلی طرز پر کشمیری مسلمانوں کی زمینوں پر قبضہ کر کے مسلم اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کیا جاسکے۔

اس گھناؤنے منصوبے کی وجہ سے کشمیری عوام پہلے ہی بی جے پی کے خلاف سراپا احتجاج تھے مگر برہان وانی کی شہادت نے اس احتجاج کو تحریک میں بدل دیا۔ اس کی نماز جنازہ پر عوام کا جم غفیر ہر سمت سے اُمڈ رہا تھا جس سے خوفزدہ ہو کر بھارتی فورسز نے طاقت کا استعمال کیا اور پھر وہ ہوا جس کا بھارت کے کرتا دھرتاؤں کے ذہن و گمان میں بھی نہ تھا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ کشمیریوں نے ضبط و صبر کے سارے بندھن توڑ دیے ہیں اور وہ اپنی اصل منزل یعنی آزادی کے لیے آخری فیصلہ کر چکے ہیں۔ لہٰذا اب بھارت کے لیے اس تحریک کو دبانا مشکل ہوگا۔ بھارت اب اس کا الزام پاکستان پر لگانے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہے' کیونکہ حالیہ تحریک خالصتاً مقامی سطح پر شروع ہوئی ہے اور مقامی لوگ ہی اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے ہر طرح سے پُرعزم ہو چکے ہیں۔

اس لحاظ سے اب یہ تحریک اپنے فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہو چکی ہے اور ان حالات میں مسلم ممالک خاص طور پر پاکستان پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ کشمیریوں کی آواز کو بھرپور انداز میں عالمی برادری کے ایوانوں تک پہنچائیں۔ خاص طور پر او آئی سی' یو این او اور عرب لیگ کو متحرک کریں اور حریت قیادت کے ۴ نکات پر عمل درآمد کے لیے پاکستان اور عالمِ اسلام مل کر عالمی قوتوں کو مجبور کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ کشمیریوں کی حوصلہ افزائی کے لیے بھرپور اقدامات کیے جائیں۔ صرف ایک دن یوم سیاہ منانے سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ کراچی سے لے کر گلگت بلتستان تک عوام سڑکوں پر نکل کر کشمیریوں کے حق میں ایسے مظاہرے کریں کہ بھارت سمیت ساری دنیا لرز اُٹھے اور انہیں یقین ہو جائے کہ کشمیریوں کو ان کا حق دیے بغیر یہ طوفان اب تھمے گا نہیں۔

ہماری رائے میں کشمیر کی آزادی اس وقت تک ممکن نہیں ہو سکتی جب تک کہ کشمیر میں حریت کانفرنس کے ساتھ ساتھ دیگر سیاسی جماعتیں بھی کشمیر کی آزادی کے لیے متحرک نہیں ہو جاتیں' لیکن ان کے سامنے سیکولر انڈیا سے نکل کر سیکولر پاکستان میں جانے کا کوئی معقول جواز نہیں ہے۔ ان کا رشتہ پاکستان سے اُس وقت استوار ہوگا جب پاکستان میں ''لا الٰہ الا اللہ'' عملی طور پر نافذ ہوگا۔ لہٰذا کشمیر کی آزادی میں سب سے بڑی رکاوٹ خود پاکستان بنا رہے گا جب تک کہ اس میں اسلام پر مبنی حقیقی نظام نافذ نہیں ہو جاتا' کیونکہ کشمیریوں کا پاکستان سے صرف اسلام کا رشتہ ہے۔

❁❁❁

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ الشُّعَرَاء

تمہیدی کلمات

سورۃ الفرقان کے تمہیدی کلمات کے ضمن میں بتایا جا چکا ہے کہ اس گروپ کی آٹھ مکی سورتوں میں سے سورۃ الفرقان کے علاوہ باقی سب کا آغاز حروفِ مقطعات سے ہوتا ہے۔ ان میں سے دو سورتوں (الشعراء اور القصص) کا آغاز طٰسٓمٓ سے‘ ایک سورت (النحل) کا طٰسٓ سے اور چار سورتوں (العنکبوت‘ الروم‘ لقمان اور السجدۃ) کا آغاز الٓمٓ سے ہوتا ہے۔ اس ضمن میں اضافی طور پر یہ بھی نوٹ کر لیجیے کہ قرآن کی کل چھ سورتیں الٓمٓ سے شروع ہوتی ہیں‘ جن میں سے سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران مدنی ہیں‘ جبکہ مذکورہ چار مکی ہیں۔

سورۃ الشعراء کو مکی سورتوں میں اس اعتبار سے امتیاز حاصل ہے کہ اس کی آیات کی تعداد (۲۲۷) مکی سورتوں میں سب سے زیادہ ہے۔ (حجم کے اعتبار سے مکی سورتوں میں سورۃ الاعراف سب سے بڑی ہے‘ لیکن اس کی آیات ۲۰۷ ہیں۔) سورۃ الشعراء اپنی چھوٹی چھوٹی آیات‘ تیز ردھم اور مؤثر صوتی آہنگ کی بنا پر سورۃ الحجر سے مماثلت رکھتی ہے۔ اس کی آیت ۲۱۴ کے حوالے سے تاریخی روایات ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کا نزول ابتدائی چار برس کے دوران ہوا تھا۔ ویسے تو ابتدائی دور میں نازل ہونے والی اکثر و بیشتر سورتیں مصحف کی ترتیب میں سورۂ قٓ کے بعد یعنی آخری منزل میں رکھی گئی ہیں‘ لیکن سورۃ الحجر اور سورۃ الشعراء کو مشیتِ الٰہی سے مصحف کے درمیانی حصے میں رکھا گیا ہے‘ یعنی پچھلے گروپ میں سورۃ الحجر اور اس گروپ میں سورۃ الشعراء۔

میرے خیال میں اس ترتیب میں یہ حکمت ہے (ممکن ہے کوئی اور بڑی حکمت بھی ہو‘ جس تک میرے فہم کی رسائی نہ ہو) کہ ان دونوں گروپس میں یکے بعد دیگرے بہت سی ایسی

سورتیں ہیں جو اپنے انداز اور مضامین کے اعتبار سے ایک جیسی ہیں۔ چنانچہ ایک جیسی سورتوں کی وجہ سے پیدا ہونے والی یکسانیت کو ختم کرنے کے لیے دونوں گروپس میں مختلف انداز کی ایک ایک سورت شامل کر دی گئی ہے تاکہ تلاوت کے دوران انسان کی دلچسپی میں کمی واقع نہ ہونے پائے۔ سورۃ الشعراء کا زیادہ تر حصہ انباء الرسل پر مشتمل ہے اور اس میں بھی انہی چھ رسولؑ اور ان کی قوموں کے واقعات کی تفصیل ہے جن کا ذکر اس سے پہلے سورۃ الاعراف اور سورۂ ہود میں بھی آ چکا ہے۔ البتہ اس سورت میں ان واقعات کی ترتیب مختلف ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کا اضافہ بھی ہے۔ سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مفصّل تذکرہ ہے‘ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے‘ اس کے بعد باقی پانچ رسولوں کے حالات بالکل اسی ترتیب سے بیان ہوئے ہیں جس ترتیب سے مذکورہ دونوں سورتوں میں ان کا ذکر ملتا ہے۔ سورت کا آخری رکوع خاصا طویل ہے جس میں حضور ﷺ سے خطاب ہے اور آپؐ کی وساطت سے دراصل اہلِ ایمان کو مخاطب کیا گیا ہے۔

آیات ۱ تا ۵

طٰسٓمٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ﴿۴﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ﴿۵﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۷﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۹﴾

آیت ۱ ﴿طٰسٓمٓ ①﴾ ’’ط‘ س‘ م۔‘‘

آیت ۲ ﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ②﴾ ’’یہ روشن کتاب کی آیات ہیں۔‘‘

آیت ۳ ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ③﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) شاید آپ اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے اس صدمے میں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے۔‘‘

آیت ۴ ﴿اِنۡ نَّشَاۡ نُنَزِّلۡ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَۃً فَظَلَّتۡ اَعۡنَاقُہُمۡ لَہَا خٰضِعِیۡنَ ﴿۴﴾﴾
''اگر ہم چاہیں تو ان پر ابھی آسمان سے ایک ایسی نشانی اتار دیں جس کے سامنے اُن کی گردنیں جھک کر رہ جائیں۔''

انہیں ایسی کوئی نشانی دکھا دینا ہماری قدرت سے کچھ بعید نہیں' لیکن اپنی خاص حکمت اور مشیت کے تحت ہم ایسا نہیں کر رہے۔ آگے چل کر اسی سورت میں اس حکمت کا ذکر بھی آئے گا۔

آیت ۵ ﴿وَمَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ ذِکۡرٍ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ مُحۡدَثٍ اِلَّا کَانُوۡا عَنۡہُ مُعۡرِضِیۡنَ ﴿۵﴾﴾ ''اور ان کے پاس رحمٰن کی طرف سے کوئی نئی نصیحت نہیں آتی مگر یہ لوگ اس سے اعراض کرنے والے ہی ہوتے ہیں۔''

انہیں مختلف انداز سے سمجھایا جا رہا ہے' انداز بدل بدل کر آیات نازل کی جا رہی ہیں' مگر یہ لوگ ہیں کہ کسی نصیحت اور کسی یاد دہانی سے اثر لینے کو تیار ہی نہیں۔

آیت ۶ ﴿قَدۡ کَذَّبُوۡا فَسَیَاۡتِیۡہِمۡ اَنۡۢبٰٓؤُا مَا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۶﴾﴾ ''تو اب جبکہ وہ جھٹلا چکے ہیں تو عنقریب ان تک پہنچ جائیں گی خبریں اس چیز کی جس کا یہ لوگ مذاق اڑایا کرتے تھے۔''

یعنی عذابِ الٰہی کے ذریعے عنقریب ان کی پکڑ ہونے والی ہے۔

آیت ۷ ﴿اَوَلَمۡ یَرَوۡا اِلَی الۡاَرۡضِ کَمۡ اَنۡۢبَتۡنَا فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ زَوۡجٍ کَرِیۡمٍ ﴿۷﴾﴾ ''کیا یہ لوگ زمین کو نہیں دیکھتے کہ اس میں ہم نے کس قدر عمدہ چیزیں اُگائی ہیں ہر قسم کی!''

آیت ۸ ﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَمَا کَانَ اَکۡثَرُہُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۸﴾﴾ ''یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے۔ لیکن ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے۔''

اگر یہ لوگ معجزہ دیکھنا چاہتے ہیں تو دیکھ لیں' اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ پوری کائنات ہی معجزہ ہے۔ کائنات میں ہر جگہ ان کے لیے نشانیاں ہی نشانیاں ہیں:

﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّہَارِ وَالۡفُلۡکِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا وَبَثَّ فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ دَآبَّۃٍ ۪ وَّتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ

یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾﴾ (البقرة)

''یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں' رات اور دن کے اُلٹ پھیر میں' اور کشتیوں (جہازوں) میں جو سمندروں (یا دریاؤں) میں لوگوں کے لیے نفع بخش سامان لے کر چلتی ہیں' اور اس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے اتارا ہے' پھر اس سے زندگی بخشی زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد اور ہر قسم کے حیوانات اس کے اندر پھیلا دیے' اور ہواؤں کی گردش میں' اور ان بادلوں میں جو معلق کر دیے گئے ہیں آسمانوں اور زمین کے درمیان' یقیناً نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیں۔''

آیت ۹ ﴿وَاِنَّ رَبَّکَ لَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۹﴾﴾ ''اور یقیناً آپؐ کا رب بہت غالب' نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

یہاں ایک نکتہ لائقِ توجہ ہے کہ قرآن میں عام طور پر العَزِیز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا دوسرا صفاتی نام الحَکِیم آتا ہے' مگر اس سورت میں الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ کی تکرار ہے۔ دراصل اس کا مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگرچہ ''العزیز'' ہے یعنی زبردست طاقت کا مالک ہے' وہ جو چاہے کرے' مگر ساتھ ہی ساتھ وہ نہایت مہربان' شفیق اور رحیم بھی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو پلک جھپکنے میں آسمان سے ایسا معجزہ اتار دے جس کے سامنے انہیں اپنی گردنیں جھکانے کے سوا چارہ نہ رہے۔ جیسا کہ قبل ازیں آیت ۴ میں فرمایا گیا ہے: ﴿اِنۡ نَّشَاۡ نُنَزِّلۡ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَۃً فَظَلَّتۡ اَعۡنَاقُہُمۡ لَہَا خٰضِعِیۡنَ ﴿۴﴾﴾ ''اگر ہم چاہیں تو ان پر ابھی آسمان سے ایک ایسی نشانی اتار دیں جس کے سامنے اُن کی گردنیں جھک کر رہ جائیں''۔ چنانچہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا عظیم مظہر ہے کہ وہ فوری طور پر کوئی حسّی معجزہ دکھا کر ان لوگوں کی مدتِ مہلت کو ختم نہیں کرنا چاہتا۔ وہ چاہتا ہے کہ اس دودھ کو کچھ دیر اور بلو لیا جائے' شاید کہ اس میں سے کچھ مزید مکھن نکل آئے۔ شاید ان میں بھلائی کی استعداد رکھنے والے مزید کچھ لوگ موجود ہوں اور اس طرح انہیں بھی راہِ راست پر آنے کا موقع مل جائے۔ بہرحال اس وجہ سے ان کے مسلسل مطالبے کے باوجود بھی انہیں معجزہ نہیں دکھایا جا رہا تھا' مگر وہ نادان اپنے اس مطالبے کے پورا نہ ہونے کو آپ ﷺ کے خلاف ایک دلیل کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔

آیات ۱۰ تا ۱۵

﴿وَاِذۡ نَادٰی رَبُّکَ مُوۡسٰۤی اَنِ ائۡتِ الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿ۙ۱۰﴾ قَوۡمَ فِرۡعَوۡنَ ؕ اَلَا

يَتَّقُوْنَ (11) قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ (12) وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ
لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ (13) وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ (14) قَالَ
كَلَّا فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ (15) فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ
رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (16) اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (17) قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا
وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ (18) وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ
وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (19) قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ (20) فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ
لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (21) وَتِلْكَ نِعْمَةٌ
تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (22) قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (23)
قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ (24) قَالَ لِمَنْ
حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ (25) قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ (26) قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ
الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ (27) قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا
اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ (28) قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ
الْمَسْجُوْنِيْنَ (29) قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ (30) قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ
الصّٰدِقِيْنَ (31) فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ (32) وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ
بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ (33) قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ (34) يُّرِيْدُ اَنْ
يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ (35) قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ
فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ (36) يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ (37) فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ
يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (38) وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ (39) لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ
كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ (40) فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ
كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ (41) قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ (42) قَالَ لَهُمْ
مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ (43) فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ
فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ (44) فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا
يَاْفِكُوْنَ (45) فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ (46) قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (47) رَبِّ

مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ (48) قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ
عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ
خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ (49) قَالُوْا لَا ضَيْرَ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ (50) اِنَّا
نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ (51)

آیت ۱۰ ﴿وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (10)﴾ ’’اور یاد کرو جب پکارا تھا آپؐ کے رب نے موسٰیؑ کو کہ جاؤ ظالم قوم کے پاس۔‘‘

آیت ۱۱ ﴿قَوْمَ فِرْعَوْنَ اَلَا يَتَّقُوْنَ (11)﴾ ’’(یعنی) قومِ فرعون کے پاس۔ کیا وہ ڈرتے نہیں؟‘‘

آیت ۱۲ ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ (12)﴾ ’’اُسؑ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔‘‘

آیت ۱۳ ﴿وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ (13)﴾ ’’اور میرا سینہ بھنچتا ہے اور میری زبان بھی رواں نہیں‘ لہٰذا آپ (یہ پیغام) ہارونؑ کی طرف بھیجئے!‘‘

تاکہ اس عظیم مشن میں وہ میرے دست و بازو بنیں اور اس کام میں میرا ہاتھ بٹائیں۔

آیت ۱۴ ﴿وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ (14)﴾ ’’اور میرے ذمے ان کا ایک جرم بھی ہے‘ چنانچہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔‘‘

مصر میں حضرت موسٰی علیہ السلام کے ہاتھوں ایک قبطی قتل ہو گیا تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل سورۃ القصص میں آئے گی۔ اگرچہ یہ قتل عمد نہیں بلکہ قتل خطا تھا‘ لیکن تھا تو بہر حال قتل۔ اس لیے حضرت موسٰی علیہ السلام کا اندیشہ درست تھا کہ وہ انہیں دیکھتے ہی گرفتار کر لیں گے اور مقدمہ چلا کر سزائے موت کا مستحق ٹھہرا دیں گے۔

آیت ۱۵ ﴿قَالَ كَلَّا فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ (15)﴾ ’’اللہ نے فرمایا: ہرگز نہیں! تو تم دونوں جاؤ ہماری نشانیوں کے ساتھ‘ ہم یقیناً تمہارے ساتھ ہیں‘ سب سننے والے ہیں۔‘‘

آیت ۱۶ ﴿فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (16)﴾ ’’تو تم دونوں فرعون

کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ ہم رسول ہیں ربّ العالمین کے۔‘‘

آیت ۱۷ ﴿اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۷﴾﴾ ’’کہ بھیج دو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو۔‘‘

کہ اب تم بنی اسرائیل کو مزید تنگ نہ کرو اور انہیں آزاد کر کے ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دے دو۔

آیت ۱۸ ﴿قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾﴾ ’’فرعون نے کہا کہ کیا ہم نے تمہیں چھوٹے ہوتے اپنے ہاں پالا نہیں تھا؟ اور تم نے اپنی زندگی کے کئی سال ہمارے ہاں گزارے ہیں۔‘‘

یہ قرآن کا خاص اسلوب ہے کہ کوئی واقعہ بیان کرتے ہوئے اس کی غیر ضروری تفاصیل چھوڑ دی جاتی ہیں۔ چنانچہ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر پہنچنے اور اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے ساتھ فرعون کے دربار میں جا کر اسے دعوت دینے سے متعلق تمام تفصیلات کو چھوڑ کر فرعون کے جواب کو نقل کیا گیا ہے کہ کیا تم وہی نہیں ہو جس کو ہم نے دریائے نیل میں بہتے ہوئے صندوق سے نکالا تھا اور پھر پال پوس کر بڑا کیا تھا؟ آیت زیر مطالعہ میں قرآن کے الفاظ کا امکانی حد تک مناسب انداز میں ترجمہ تو وہی ہے جو اوپر کیا گیا ہے‘ لیکن جس ماحول اور جس انداز میں فرعون نے یہ جملے کہے ہوں گے ان کا تصور کریں تو مفہوم کچھ یوں ہوگا کہ تم ہمارے ٹکڑوں پر پلے ہو اور آج اللہ کے رسول بن کر ہمارے ہی سامنے آ کھڑے ہوئے ہو۔ ہماری بِلّی اور ہمیں کو میاؤں!

[سورۃ الاعراف کی آیات ۱۰۴‘ ۱۰۵ کے ذیل میں یہ وضاحت آ چکی ہے کہ یہ وہ فرعون نہ تھا جس کے گھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پرورش پائی تھی‘ بلکہ یہ اس کا بیٹا تھا۔ زیر مطالعہ آیت کے اسلوب سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اگر یہ وہی فرعون ہوتا تو کہتا کہ میں نے تجھے پالا پوسا‘ لیکن یہ کہہ رہا ہے کہ تو ہمارے ہاں رہا ہے اور ہم نے تیری پرورش کی ہے۔]

آیت ۱۹ ﴿وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾﴾ ’’اور تم نے جو اپنا وہ کام کیا جو کیا‘ اور تم ناشکروں میں سے ہو۔‘‘

فرعون نے اپنے مزعومہ احسانات جتلانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ بھی یاد دلا دیا

کہ تم نے ہمارے ایک آدمی کو بھی قتل کیا ہوا ہے۔ اور آخر میں بڑی رعونت سے کہا کہ تم کتنے ناشکر گزار اور احسان فراموش ہو!

آیت ۲۰ ﴿قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾﴾ ’’موسیٰؑ نے کہا: میں نے وہ تب کیا تھا جب کہ میں ناواقفوں میں سے تھا۔‘‘

یعنی یہ فعل مجھ سے نادانستگی میں ہوا تھا اور اُس وقت میں ابھی حقیقت سے ناآشنا بھی تھا۔ ابھی رسالت اور نبوت مجھے نہیں ملی تھی اور میں خود تلاشِ حقیقت میں سرگرداں تھا۔ لفظ ’’الضّآل‘‘ کے دو مفاہیم کے بارے میں سورۃ الفاتحہ کے مطالعے کے دوران وضاحت کی جا چکی ہے۔ اس لفظ کے ایک معنی تو راستے سے بھٹک جانے والے اور غلط فہمی کی بنا پر کوئی غلط راستہ اختیار کر لینے والے کے ہیں‘ لیکن اس کے علاوہ جو شخص ابھی درست راستے کی تلاش میں سرگرداں ہو اس پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اور اسی مفہوم میں یہ لفظ سورۃ الضحیٰ کی اس آیت میں حضور ﷺ کے لیے استعمال ہوا ہے: ﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿۷﴾﴾ کہ ہم نے آپؐ کو تلاشِ حقیقت میں سرگرداں پایا تو راہنمائی فرما دی!

آیت ۲۱ ﴿فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ﴾ ’’پھر میں تمہارے ہاں سے بھاگ گیا جب مجھے تم سے خوف محسوس ہوا‘‘

اس واقعہ کے بعد میں تم لوگوں سے ڈر کر تمہارا یہ علاقہ چھوڑ کر چلا گیا۔

﴿فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾﴾ ’’پھر میرے رب نے مجھے حکم عطا کیا اور مجھے رسولوں میں سے بنا دیا۔‘‘

اب اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا ہے اور حکمت اور قوتِ فیصلہ کی دولت بھی عطا کی ہے۔

آیت ۲۲ ﴿وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾﴾ ’’اور یہ وہ احسان ہے جو تم مجھے جتلا رہے ہو جس کے عوض تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے!‘‘

ان الفاظ کے تیور بتا رہے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کو ترکی بہ ترکی جواب دے رہے تھے کہ اپنے محل میں ایک اسرائیلی بچے کی پرورش کرنے کا تمہارا احسان کیا تمہیں یہ جواز فراہم کرتا ہے کہ تم پوری بنی اسرائیل قوم کو اپنا غلام بنائے رکھو؟ میری پرورش کرنے کا کارنامہ تو تمہیں بروقت یاد آ گیا لیکن میری قوم کو جو تم نے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا

ہے‘ اس کا کوئی تذکرہ تم نے نہیں کیا۔ یہاں عَبَّدْتَّ کا لفظ لائق توجہ ہے۔ ’’تَعْبِید‘‘ کے معنی کسی کو غلام اور فرمانبردار بنا لینے کے ہیں۔ اسی سیاق وسباق میں ایک دوسری جگہ فرعون کا یہ فقرہ اس لفظ کے مفہوم کو مزید واضح کرتا ہے: ﴿وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾﴾ (المؤمنون) ’’اور ان دونوں کی قوم تو ہماری غلام ہے!‘‘

آیت ۲۳ ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾﴾ ’’فرعون نے پوچھا کہ یہ ربّ العالمین کون ہے؟‘‘

تم نے دعویٰ کیا ہے کہ تم ربّ العالمین کے رسول ہو اور اُس کی طرف سے بھیجے گئے ہو‘ تو یہ ربّ العالمین کون ہے؟

آیت ۲۴ ﴿قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾﴾ ’’موسیٰؑ نے جواب دیا: آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے مابین ہے اس کا آقا اور مالک۔ اگر تم یقین کرنے والے ہو!‘‘

آیت ۲۵ ﴿قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾﴾ ’’فرعون نے اپنے اِردگرد لوگوں سے کہا: کیا آپ سن نہیں رہے؟‘‘

اس فقرے کے صحیح مفہوم اور موقع ومحل کو سمجھنے کے لیے فرعون کے دربار کا تصور ذہن میں لانا ضروری ہے۔ تصور کیجیے! دربار سجا ہے‘ تمام اعیانِ سلطنت اپنی اپنی نشستوں پر براجمان ہیں۔ اس بھرے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام براہِ راست فرعون سے مخاطب ہیں اور اس گفتگو کو تمام درباری روبرو سن رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ترکی بہ ترکی گفتگو اور بے باک لہجے کے سامنے فرعون کھسیانا ہو چکا ہے۔ اپنی اس خفت کو چھپانے کے لیے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب دینے کے بجائے پلٹ کر اپنے درباریوں کی طرف دیکھتا ہے اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ آپ لوگوں نے سنا‘ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے اس انداز کو خاطر میں لائے بغیر اپنی گفتگو جاری رکھتے ہیں:

آیت ۲۶ ﴿قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾﴾ ’’اُس نے کہا کہ وہ تمہارا بھی ربّ ہے اور تمہارے پہلے آباء واَجداد کا بھی ربّ ہے۔‘‘

آیت ۲۷ ﴿قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾﴾ ’’فرعون نے

(درباریوں سے) کہا کہ تمہارا یہ رسول جسے تمہاری طرف بھیجا گیا ہے یقیناً مجنون ہے۔‘‘

گویا فرعون مسلسل حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آنکھیں چرا رہا ہے۔ آپؑ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دینے کے بجائے وہ پھر اپنے درباریوں سے ہی مخاطب ہوا ہے۔ اپنی شرمندگی مٹانے کے لیے اب اس نے طنزیہ انداز اختیار کیا ہے کہ مجھے تو یہ صاحب جو تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں مجنون لگتے ہیں‘ ان کا دماغی توازن ٹھیک نہیں لگتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی اس بات کو بھی نظرانداز کر کے اپنی گفتگو اسی جوش اور بے باکی کے ساتھ جاری رکھتے ہیں:

آیت ۲۸ ﴿قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾﴾ ’’اُس نے کہا کہ وہ مشرق ومغرب کا بھی رب ہے اور جو کچھ ان کے مابین ہے اس کا بھی۔ اگر تم عقل رکھتے ہو!‘‘

گویا اب حضرت موسیٰ علیہ السلام پورے طور پر دربار پر چھائے ہوئے ہیں اور دوسری طرف فرعون کے مکالمات اور انداز سے اس کی بے بسی صاف نظر آ رہی ہے۔ آیات میں درج مکالمات کی مدد سے اس پورے منظر کو اگر ڈرامائی انداز میں پیش کیا جائے تو بہت دلچسپ اور عبرت انگیز صورتِ حال کی تصویر سامنے آ سکتی ہے۔ (میں نے میڈیکل کالج میں اپنے زمانہ طالب علمی کے دوران ان آیات کے ترجمے سے ڈرامے کا ایک سکرپٹ تیار کیا تھا: ’’ایک رسول‘ بادشاہ کے دربار میں!‘‘)

آیت ۲۹ ﴿قَالَ لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾﴾ ’’اُس نے کہا کہ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود مانا تو میں تمہیں قیدیوں میں داخل کر دوں گا۔‘‘

صورتِ حال فرعون کی برداشت سے باہر ہو گئی تو اس کا غصہ اور مطلق العنانیت کا جلال اس کی خفّت پر غالب آ گیا۔ اس کیفیت میں اس نے گرجتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دھمکی دی‘ مگر یہ قتل کے بجائے صرف جیل میں ڈالنے کی دھمکی تھی۔ اس سے یوں لگتا ہے جیسے ابھی تک فرعون کے دل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے کوئی نرم گوشہ موجود تھا اور یہ بالکل فطری بات تھی‘ کیونکہ وہ حضرت موسیٰؑ کا بچپن کا ساتھی تھا۔ دونوں اکٹھے کھیلے اور ایک ساتھ پلے بڑھے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام عمر میں بڑے ہونے کی وجہ سے اس کے بڑے بھائی کی طرح تھے۔

آیت ۳۰ ﴿قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾﴾ ’’موسیٰؑ نے جواب دیا: اگرچہ میں تمہارے پاس کوئی واضح چیز لے کر آیا ہوں؟‘‘

آیت ۳۱ ﴿قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۳۱﴾ ''وہ بولا: تو اسے پیش کرو اگر تم سچے ہو!''

آیت ۳۲ ﴿فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۝۳۲﴾ ''چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈال دیا تو اچانک وہ ایک صریح اژدھا بن گیا۔''

واضح رہے کہ سورۂ طٰہٰ کی آیت ۲۰ میں عصا کی تبدیلیٔ ہیئت کے لیے ''حَيَّةٌ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے' جس کے معنی عام سانپ کے ہیں اور یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب حضرت موسیٰؑ کو وادیٔ طویٰ میں پہلی بار اس کا تجربہ کرایا گیا تھا۔ جبکہ فرعون کے دربار میں وہ ''ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ'' یعنی واضح طور پر ایک بہت بڑا اژدھا بن گیا تھا۔

آیت ۳۳ ﴿وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۝۳۳﴾ ''اور انہوں نے اپنا ہاتھ (اپنے گریبان سے) کھینچا تو وہ سفید چمکدار تھا دیکھنے والوں کے لیے۔''

آیت ۳۴ ﴿قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۝۳۴﴾ ''فرعون نے اپنے اردگرد موجود سرداروں سے کہا کہ یہ تو واقعتاً ایک ماہر جادوگر ہے۔''

کہ یہ اتنا عرصہ جہاں کہیں بھی رہا ہے' جادو سیکھتا رہا ہے اور لگتا ہے کہ اس فن میں اس نے خوب مہارت حاصل کر لی ہے —— اور اب:

آیت ۳۵ ﴿يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝۳۵﴾ ''یہ چاہتا ہے کہ اپنے اس جادو کے بل پر تمہیں تمہارے ملک سے نکال باہر کرے' تو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو؟''

لغوی اعتبار سے ''امر'' کے معنی حکم کے بھی ہیں اور مشورہ کے بھی' مگر یہاں یہ لفظ مشورہ کے معنی دے رہا ہے۔ فرعون کے اس فقرے سے اس کی تشویش صاف ظاہر ہو رہی ہے۔ گویا صورتِ حال اس کے اندازے سے کہیں بڑھ کر پیچیدہ اور گھمبیر تھی۔

آیت ۳۶ ﴿قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۝۳۶﴾ ''انہوں نے کہا کہ اس کو اور اس کے بھائی کو کچھ مہلت دے دیں اور بھیج دیں تمام شہروں میں نقیب۔''

آیت ۳۷ ﴿يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ۝۳۷﴾ ''وہ لے آئیں آپ کے پاس تمام ماہر جادوگروں کو۔''

ہرکارے شاہی پیغام لے کر پورے ملک میں پھیل جائیں' ہر جگہ ڈھنڈورا پیٹیں اور جہاں جہاں سے کوئی ماہر جادوگر ملے سب کو اکٹھا کر کے دربارِ شاہی میں پیش کر دیں۔

آیت ۳۸ ﴿فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝۳۸﴾ ''تو یوں جمع کر لیے گئے تمام جادوگر ایک مقررہ دن کے وعدے پر۔''

آیت ۳۹ ﴿وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ۝۳۹﴾ ''اور لوگوں سے بھی کہہ دیا گیا کہ کیا تم جمع ہو جاؤ گے؟''

اس کے بعد عوام میں بھی منادی کرائی گئی کہ وہ بھی طے شدہ وقت کے مطابق مقررہ جگہ پر پہنچ جائیں۔

آیت ۴۰ ﴿لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۝۴۰﴾ ''تاکہ ہم پیروی کر لیں جادوگروں کی اگر وہی غالب رہیں۔''

کہ موسیٰؑ اگر اپنے جادو کے زور سے ہمیں مرعوب و مغلوب کرنا چاہتا ہے تو ایسی صورت میں کیوں نہ ہم اپنی قوم کے جادوگروں کی سرداری قبول کر کے ان کی پیروی کریں اور موسیٰؑ کے بجائے ان کی پناہ میں آ جائیں!

آیت ۴۱ ﴿فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝۴۱﴾ ''تو جب جادوگر آ پہنچے تو انہوں نے فرعون سے پوچھا کہ کیا ہمیں انعام ملے گا' اگر ہم غالب آ گئے؟''

آیت ۴۲ ﴿قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝۴۲﴾ ''اُس نے کہا ضرور! اور تب تم لوگ یقیناً مقربین میں سے ہو جاؤ گے۔''

خلعتیں اور انعامات بھی ملیں گے اور اس کے علاوہ تم لوگوں کو دربار میں اعلیٰ مناصب عطا کر کے میں اپنے مقرب مصاحبین میں بھی شامل کر لوں گا۔

آیت ۴۳ ﴿قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝۴۳﴾ ''موسیٰؑ نے ان سے کہا کہ پھینکو تم لوگ جو کچھ پھینکنے والے ہو!''

آیت ۴۴ ﴿فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ﴾ ''تو انہوں نے پھینک ڈالیں اپنی رسیاں اور لاٹھیاں''

﴿وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾﴾ ''اور کہا کہ فرعون کی عزت کی قسم' یقیناً ہم ہی غالب رہنے والے ہوں گے!''

آیت ۴۵ ﴿فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾﴾ ''اب موسیٰؑ نے اپنا عصا پھینکا تو یکایک وہ نگلنے لگا اُس فریب کو جو انہوں نے بنایا تھا۔''

ان کی رسیاں اور لاٹھیاں جو بظاہر سانپ دکھائی دے رہی تھیں' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے اژدھا بن کر انہیں نگلنا شروع کر دیا۔

آیت ۴۶ ﴿فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾﴾ ''تو سارے جادوگر بے اختیار سجدے میں گرا دیے گئے۔''

اُلْقِيَ صیغۂ مجہول ہے' یعنی وہ سجدے میں خود نہیں گرے بلکہ گرا دیے گئے۔ مطلب یہ کہ اپنے جادو کے زائل ہونے کا منظر دیکھ کر وہ لوگ اس طرح بے اختیار سجدوں میں گر گئے جیسے کسی نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کر دیا ہو۔

آیت ۴۷ ﴿قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾﴾ ''اور کہنے لگے کہ ہم تمام جہانوں کے رب پر ایمان لے آئے ہیں۔''

آیت ۴۸ ﴿رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾﴾ ''جو موسیٰؑ اور ہارونؑ کا رب ہے۔''

آیت ۴۹ ﴿قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ﴾ ''فرعون نے کہا: کیا تم لوگ ایمان لے آئے ہو اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دیتا!''

فرعون پُر جلال انداز میں گرجا کہ تمہاری یہ جرأت کہ مابدولت کی اجازت کے بغیر تم لوگوں نے موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا!

﴿اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ﴾ ''یقیناً یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔''

کہ مجھے تمہاری سازش کا پتا چل گیا ہے۔ یقیناً یہ تمہارا استاد اور گرو گھنٹال ہے جس سے تم جادو سیکھتے رہے ہو۔ تمہارا یہاں آنا اور مقابلہ کرنا محض ایک ڈھونگ تھا اور اب اس سے یوں تمہارا ہار مان لینا تمہاری باہمی ملی بھگت اور نورا کشتی کا نتیجہ ہے۔

﴿فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۭ﴾ ''تو بہت جلد تمہیں (اس کا انجام) معلوم ہو جائے گا۔''

﴿لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾﴾ ''میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں کاٹ ڈالوں گا مخالف سمت سے اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔''

آیت ۵۰ ﴿قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۭ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾﴾ ''انہوں نے کہا: کوئی پروا نہیں! یقیناً ہم اپنے رب کی طرف ہی لوٹ کر جانے والے ہیں۔''

آیت ۵۱ ﴿اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ﴾ ''یقیناً ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہماری خطاؤں کو بخش دے گا''

اب ہمیں اگر کچھ طمع ہے' تو بس یہی ہے اور ہمارے دل میں اگر کوئی خواہش' کوئی آرزو اور تمنا ہے تو ایک ہی ہے' کہ ہمارا رب ہماری پچھلی خطاؤں سے درگزر فرمائے۔

﴿اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾﴾ ''کہ ہم ہی سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔''

کہ ہم نے سب سے پہلے اللہ کے رسولؑ کی تصدیق کی ہے اور کوئی دوسرا اس معاملے میں ہم پر سبقت نہیں لے جا سکا۔

آیات ۵۲ تا ۶۸

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي
الْمَدَآىِٕنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآىِٕظُوْنَ ﴿۵۵﴾
وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ
كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ۭ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا
تَرَاۗءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ
سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۭ فَانْفَلَقَ فَكَانَ
كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ
مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ
اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶۸﴾

آیت ۵۲ ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۝۵۲﴾ ''اور ہم نے وحی کر دی موسیٰؑ کی جانب کہ میرے بندوں کو راتوں رات نکال لے جاؤ' یقیناً تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔''

آیت ۵۳ ﴿فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۝۵۳﴾ ''تو فرعون نے تمام شہروں میں (پھر) نقیب بھیج دیے۔''

بنی اسرائیل کے تعاقب کی غرض سے لوگوں کو اکٹھا کرنے کے لیے پورے ملک میں پھر ڈھنڈورچی اور ہرکارے بھیج دیے گئے' یہ کہہ کر کہ:

آیت ۵۴ ﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ۝۵۴﴾ ''یقیناً یہ تو مٹھی بھر لوگ ہیں۔''

آیت ۵۵ ﴿وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ۝۵۵﴾ ''اور بلاشبہ انہوں نے ہمارے غصے کو بھڑکا دیا ہے۔''

بنی اسرائیل کے مصر سے نکل بھاگنے کی حرکت نے ہمیں غضب ناک کر دیا ہے۔ اب ہم انہیں عبرتناک سزا دیں گے۔ اس آیت کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ ''ان کے اندر ہماری وجہ سے غصہ ہے''۔ یعنی اگرچہ یہ مٹھی بھر لوگ ہیں لیکن ہم انہیں جو تکالیف پہنچاتے رہے ہیں اس وجہ سے وہ ہم پر بھرے بیٹھے ہیں۔ چنانچہ یہ دل جلے لوگ ہمارے خلاف کچھ بھی کر سکتے ہیں۔

آیت ۵۶ ﴿وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ۝۵۶﴾ ''اور یقیناً ہم سب خطرے میں پڑنے والے ہیں۔''

ہمیں ان کی طرف سے کسی بڑے اقدام کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ ہمیں اپنی پوری قوت کو مجتمع کر کے ان کا پیچھا کرنا چاہیے۔

آیت ۵۷ ﴿فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝۵۷﴾ ''پس یوں نکالا ہم نے انہیں باغات اور چشموں میں سے۔''

آیت ۵۸ ﴿وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝۵۸﴾ ''اور خزانوں اور بہت عمدہ قیام گاہوں سے۔''

اس صورتِ حال میں انہیں اپنے باغات' چشمے' گھر بار' جاگیریں وغیرہ جن میں وہ خوشحالی اور فارغ البالی کی زندگیاں بسر کر رہے تھے' سب کچھ چھوڑ کر نکلنا پڑا۔

آیت ۵۹ ﴿كَذٰلِكَ ۭ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝۵۹﴾ ''اسی طرح ہوا۔ اور ان چیزوں

کا وارث ہم نے بنی اسرائیل کو بنا دیا۔''

اس کا یہ مطلب نہیں کہ بنی اسرائیل نے بعد میں واپس آ کر ان سب چیزوں پر قبضہ کر لیا' بلکہ مراد یہ ہے کہ بعد میں بنی اسرائیل کو ہم نے دُنیوی مال و دولت اور اقتدار سے نوازا اور ایک وقت آیا کہ یہی تمام چیزیں انہیں مل گئیں۔

آیت ۶۰ ﴿فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ۝۶۰﴾ ''تو انہوں نے ان کا تعاقب کیا صبح ہوتے ہی۔''

صبح کی روشنی ہوتے ہی فرعون اور اس کے لشکر بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے۔

آیت ۶۱ ﴿فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝۶۱﴾ ''پھر جب دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰؑ کے ساتھیوں نے کہا کہ اب تو ہم پکڑے گئے۔''

جب فرعونی لشکر تعاقب کرتے ہوئے ان کے قریب پہنچ گیا تو بنی اسرائیل کو اپنے پکڑے جانے کا یقین ہو گیا۔

آیت ۶۲ ﴿قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۝۶۲﴾ ''موسیٰؑ نے کہا: ہرگز نہیں! یقیناً میرے ساتھ میرا رب ہے' وہ ضرور میرے لیے راستہ پیدا کر دے گا۔''

اس آیت کے یہ الفاظ سورۃ التوبہ کی آیت ۴۰ کے ان الفاظ سے ملتے جلتے ہیں جو حضور ﷺ نے غارِ ثور میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمائے تھے: ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ﴾ ''(اے ابوبکرؓ) آپ پریشان نہ ہوں' یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

آیت ۶۳ ﴿فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۭ﴾ ''تو ہم نے وحی کی موسیٰؑ کی طرف کہ ضرب لگاؤ اپنے عصا کے ساتھ سمندر کو!''

﴿فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۝۶۳﴾ ''تو وہ پھٹ گیا اور ہر حصہ ایک بہت بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا۔''

اپنے مفہوم کے اعتبار سے آیت کے الفاظ بہت واضح ہیں' لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص ان الفاظ کی لایعنی تاویل کر کے اس واقعہ کو مدوجزر قرار دے تو اسے صرف ڈھٹائی ہی کہا جا سکتا ہے۔ فَلَقَ کے معنی پھٹنے کے ہیں اور یہ مادہ اس مفہوم کے ساتھ قرآن میں کثرت سے آیا ہے۔ جیسے: ﴿فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ﴾ (الانعام:۹۶) ''چاک کرنے والا صبح کی سفیدی کو''۔ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝۱﴾ (الفلق) ''کہیے میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی''۔ چنانچہ

اس آیت میں بھی لفظ فلق کے لغوی معنی ہی مراد ہیں‘ یعنی سمندر پھٹ گیا اور اس کے دونوں حصے پہاڑ کی طرح کھڑے ہو گئے۔ کون نہیں جانتا کہ مدّ و جزر کی کیفیت میں نہ تو سمندر پھٹتا ہے اور نہ ہی اس کا پانی چٹان یا پہاڑ کی طرح کھڑا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس تاویل کے مقابلے میں آیت کے الفاظ کا لغوی اعتبار سے تجزیہ کیا جائے تو قرآن کے اس فرمان کی حقانیت بھی ثابت ہو جاتی ہے: ﴿لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ﴾ ’’(حٰمٓ السجدۃ: ۴۲) کہ باطل اس کتاب پر حملہ نہیں کر سکتا‘ نہ سامنے سے اور نہ پیچھے سے۔ یعنی قرآن اپنے مفاہیم و معانی کی حفاظت بھی خود کرتا ہے۔

آیت ۶۴ ﴿وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ۝۶۴﴾ ’’اور ہم قریب لے آئے وہیں پر دوسروں کو بھی۔‘‘

جب سمندر پھٹ گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر اس راستے سے نکل گئے۔ عین اس وقت ان کے پیچھے فرعون بھی آ پہنچا اور اس نے بھی اپنا لشکر اسی راستے پر ڈال دیا۔

آیت ۶۵ ﴿وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۝۶۵﴾ ’’اور ہم نے نجات دے دی موسیٰؑ کو اور ان کے ساتھ جو کوئی بھی تھا سب کو۔‘‘

آیت ۶۶ ﴿ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝۶۶﴾ ’’پھر ہم نے غرق کر دیا دوسروں کو۔‘‘

آیت ۶۷ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۶۷﴾ ’’یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے‘ لیکن ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے۔‘‘

اس آیت میں حضور ﷺ اور اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی ﷺ! اگر مشرکینِ مکّہ کو کوئی نشانی چاہیے تو وہ اس واقعہ کو دیکھ لیں۔ اور اگر انہیں اس میں کوئی نشانی نظر نہیں آتی تو پھر کوئی بڑے سے بڑا معجزہ بھی ان کی آنکھیں نہیں کھول سکے گا۔ چنانچہ آپؐ خواہ کتنی ہی کوشش کریں ان کی اکثریت ایمان نہیں لائے گی۔

آیت ۶۸ ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۶۸﴾ ’’اور یقیناً آپؐ کا رب بہت زبردست‘ نہایت رحم کرنے والا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ بہت طاقتور اور سب پر غالب ہے۔ وہ جو چاہے حکم کرے‘ مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ رحیم بھی ہے اور اس کی رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ مشرکین کو ایسا کوئی حسّی معجزہ نہ دکھایا جائے جس سے ان کی مہلت ختم ہو جائے۔

قادیانی مسئلہ

اور اس کا نیا اور پیچیدہ تر مرحلہ

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

صفحاتِ ذیل میں بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دو فکر انگیز تحریریں ہدیۂ قارئین کی جا رہی ہیں جو ردّ قادیانیت کے حوالے سے بہت اہم ہیں۔ پہلی تحریر ماہنامہ میثاق مارچ ۱۹۸۵ء کا اداریہ ہے' جس میں قادیانیوں کی اس ''مظلومانہ فریاد'' کا رد ہے کہ انہیں کلمہ پڑھنے سے روکا جا رہا ہے اور ان کی عبادت گاہوں سے کلمہ طیبہ اور آیاتِ قرآنیہ کو جبراً مٹایا جا رہا ہے — جبکہ دوسری تحریر میثاق نومبر ۱۹۷۴ء کے اداریے سے ماخوذ ہے' جس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیے جانے کے فیصلے کو پوری ملّتِ اسلامیہ پر اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم قرار دیتے ہوئے اس کے مختلف پہلوؤں پر اظہارِ خیال فرمایا گیا تھا — نیز ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران محترم ڈاکٹر صاحبؒ کی ایک نہایت بصیرت افروز تقریر کا ابتدائی حصہ بھی اسی شمارے میں شامل اشاعت کیا گیا تھا۔ ان دنوں پھر بعض حضرات کی طرف سے قادیانیوں کے لیے جو ''داعیۂ حمایتِ مظلوم'' کا اظہار ہو رہا ہے' اس ضمن میں یہ تحریریں ''کارِ تریاقی'' کا درجہ رکھتی ہیں۔

کچھ عرصہ سے مسلسل اطلاعات مل رہی تھیں کہ قادیانیوں نے فرضی ناموں سے نہایت درد بھری مظلومانہ فریاد پر مشتمل خطوط کی مہم پورے زور شور سے جاری کی ہوئی ہے' جس کے ذریعے سادہ دل اور معاملے کی اصل نوعیت سے بے خبر مسلمانوں کے جذباتِ ایمانی اور جذبۂ رحم سے اپیل کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ دیکھئے! کیسا ظلم ہے کہ ہمیں کلمہ پڑھنے سے روکا جا رہا ہے اور ہماری ''مسجدوں'' سے کلمہ طیبہ اور آیاتِ قرآنیہ کو جبراً مٹایا جا رہا ہے۔ اس ضمن میں چند بار مجھ سے اجتماعاتِ جمعہ میں بھی استفسار کیا گیا' جس پر میں نے معاملے کی اصل نوعیت کی مختصر وضاحت کر دی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مجھے ہرگز اندازہ نہ تھا کہ اس قسم کی مصنوعی اور جذباتی اپیل

سے حنیف رامے صاحب ایسے دانشور سیاستدان اور جناب اعتزاز احسن ایسے منجھے ہوئے قانون دان بھی متاثر ہو جائیں گے۔ میں خود پچھلے دنوں مسلسل سفر میں رہا' جس کی وجہ سے اخبارات کے ساتھ رابطہ نہ رہا۔ واپسی پر جناب حنیف رامے کا مکمل بیان اور اس کا مولانا اللہ وسایا صاحب کی جانب سے مفصل جواب نظر سے گزرا تو اندازہ ہوا کہ وہ 'قادیانی مسئلہ' جو ہمارے جسدِ ملی میں ناسور کی حیثیت رکھتا ہے ایک نئے اور پیچیدہ تر مرحلے میں داخل ہو رہا ہے۔

اس تصویر کا ایک دوسرا رخ بھی ہے' جس نے اس مسئلے کی پیچیدگی میں ایک نہایت خطرناک پہلو (dimension) کا اضافہ کر دیا ہے اور وہ یہ کہ مولانا محمد اسلم کی گمشدگی اور پھر حادثہ ساہیوال سے قادیانیوں کے جن جارحانہ عزائم کا ظہور شروع ہوا تھا' انہوں نے کلمہ طیّبہ کے بیج سینوں پر سجا کر باہر نکلنے اور گرفتاریاں دینے کی صورت میں ایک مستقل 'مظاہرے' کی شکل اختیار کر لی ہے۔ تاحال تو غنیمت ہے کہ معاملہ قادیانی نوجوانوں اور ملک کی انتظامی مشینری کے مابین ہے' لیکن اگر خدانخواستہ معاملہ آگے بڑھا اور قادیانی جارحیت کے جواب میں عوامی ردعمل شروع ہو گیا تو صورت بہت خوفناک ہو جائے گی۔

جہاں تک حنیف رامے اور ان کی طرز پر سوچنے والے حضرات کا معاملہ ہے' میں ان سے صرف یہ درخواست کرتا ہوں کہ براہ کرم اس سوال پر غور فرمائیں کہ وہ کیا سبب تھا جس کے باعث محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفداہ آباءنا وامہاتنا ایسی شفیق وودود اور رؤف ورحیم ہستی نے ایک نام نہاد 'مسجد' یعنی منافقین کی تعمیر کردہ 'مسجدِ ضرار' کو مسمار کرنے کا حکم دے دیا تھا؟ — اسی طرح وہ کیا سبب تھا جس کی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں غیر مسلموں کو مسلمانوں کی سی وضع قطع اختیار کرنے سے روک دیا تھا؟

ظاہر ہے کہ اس سوال کا صرف ایک جواب ممکن ہے اور وہ یہ کہ چونکہ اسلام عرفِ عام کے مطابق صرف ایک 'مذہب' نہیں ہے' بلکہ 'دین' یعنی مکمل نظامِ زندگی ہے' لہٰذا اس کا دائرہ کار صرف بندے اور رب کے مابین ایک نجی تعلق کی حد تک محدود نہیں رہتا' بلکہ وہ اوّلاً ایک معاشرے اور قومیت کی صورت اختیار کرتا ہے اور اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنی حکومت اور ریاست قائم کرنی چاہتا ہے۔ بنابریں اس کے نظام میں انفرادی آزادی اور اجتماعی مصلحتوں کے مابین ایک حسین توازن موجود ہے۔ اور بعض معاملات میں قومیت اور ریاست کے تحفظ کے لیے ایسے اقدامات لازمی ہوتے ہیں جو بظاہر انفرادی آزادی پر قدغن نظر آتے ہیں —

چنانچہ ان ہی کے ذیل میں آتے ہیں آنحضور ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متذکرہ بالا اقدامات بھی —— اور اسی کے ذیل میں آتا ہے موجودہ حکومت کا یہ فیصلہ بھی کہ قادیانی کوئی ایسی نشانی یا علامت' تقریراً یا مرئی نقوش کے ذریعے استعمال میں نہیں لا سکتے جس سے عوام کو ان کے مسلمان ہونے کا دھوکا لگے —— اور یہ لازمی منطقی نتیجہ ہے آنجہانی غلام احمد قادیانی کے دعویٰ نبوت کا' جس کی بناء پر ان کے ماننے والے لوگوں کے نزدیک وہ سب لوگ کافر قرار پائے جنہوں نے ان کو نہیں مانا اور پوری اُمّتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک ان لوگوں کے کفر اور ارتداد میں ہرگز کوئی شک وشبہ نہیں ہے جنہوں نے کسی بھی حیثیت سے انہیں مان لیا۔

اب جناب غلام احمد قادیانی اور ان کی ذُرّیتِ صُلبی ومعنوی کی ''پُختہ زُنّاری'' کا عالم تو یہ ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں اور ان کے حق میں لچر سے لچر زبان اور گھٹیا سے گھٹیا مذہبی گالیاں استعمال کرنے میں بھی کوئی باک محسوس نہیں کرتے —— حتیٰ کہ اس نئی امت کا ایک مشہور ومعروف فرد اپنے محسن ومربی اور بانی ریاست وسربراہ مملکت قائداعظم محمد علی جناح تک کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیتا ہے کہ: ''مجھے خواہ ایک مسلمان ملک کا غیر مسلم وزیر قرار دے دیا جائے' خواہ ایک غیر مسلم حکومت کا مسلمان وزیر''! —— لیکن ہمارے دانشوروں اور سیاستدانوں کی ''رقّتِ قلب'' اور ''وسعتِ قلبی'' کا عالَم یہ ہے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر ان کے جان ومال اور عزت وآبرو کو پورا تحفظ دینے اور انہیں عقیدہ وعبادات کے ضمن میں پوری آزادی دینے کے بعد' صرف ان کی جارحانہ پیش قدمی کی روک تھام کے لیے کچھ ناگزیر اقدامات کیے جاتے ہیں تو ان کا ''جذبۂ رحم'' اور ''داعیۂ حمایتِ مظلوم'' جوش میں آجاتا ہے۔ ؎

''دیکھ کعبے میں شکستِ رشتۂ تسبیحِ شیخ
بتکدے میں برہمن کی پختہ زُنّاری بھی دیکھ!''

جناب رامے اور ان کے ہم خیال حضرات کے لیے طے کرنے کی اصل بات یہ ہے کہ وہ قادیانیوں کو غیر مسلم سمجھتے ہیں یا مسلمان؟ اگر خدانخواستہ بات دوسری ہے تو انہیں ہیر پھیر کا راستہ چھوڑ کر اور خواہ مخواہ کی جذباتی دلیلوں اور اپیلوں کا سہارا لینے کی بجائے خم ٹھونک کر میدان میں آنا چاہیے اور اپنا موقف صاف صاف بیان کرنا چاہیے —— اور اگر بات پہلی ہے اور ان کا دل اس پر ٹکتا ہے کہ قادیانی غیر مسلم ہیں تو پھر انہیں اپنے سینے پر پتھر رکھ کر اس کے منطقی نتیجے کو

کھلے دل سے قبول کر لینا چاہیے کہ قادیانیوں کو 'تشبّہ بالمُسلمین' سے روکا جائے تاکہ وہ سادہ لوح اور ناواقف مسلمانوں کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسا کر مرتد نہ کر سکیں۔

اس موقع پر میں قادیانی حضرات کی خدمت میں بھی یہ گزارش ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کے حق میں ۱۹۷۴ء کا فیصلہ نرم ترین اور مناسب ترین ہے' جسے آپ لوگوں کو کھلے دل کے ساتھ قبول کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ اس کے ذریعے آپ لوگوں کو ایک تسلیم شدہ اقلیت (Recognised Minority) کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے' جس سے آپ کو وہ جملہ مذہبی' سماجی اور اقتصادی حقوق حاصل ہو گئے ہیں جو دوسری تمام اقلیتوں کو حاصل ہیں۔ اب خود آپ کی اپنی مصلحت کے اعتبار سے آپ کے لیے بہترین لائحہ عمل یہ ہے کہ مسلمان ممالک (بشمول پاکستان) کی حد تک اس مرتبۂ اقلیت (Minority Status) پر قناعت کریں اور اپنی دعوت وتبلیغ کے جملہ حوصلے اور ارمان غیر مسلم ممالک میں نکال لیں —— پاکستان میں اگرچہ تاحال دوسری غیر مسلم اقلیتوں کی تبلیغی سرگرمیوں پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ تاہم اس وقت عالمی سطح پر احیائے اسلام کی جو تحریک برسرکار ہے اس کے پیش نظر وہ دن زیادہ دور نہیں ہے جب مسلمان ممالک میں پورا پورا شرعی نظام قائم ہوگا اور اس کے نتیجے میں غیر مسلموں کی تبلیغی سرگرمیوں پر مکمل پابندی بھی عائد ہو کر رہے گی اور ارتداد کی سزا بھی نافذ ہو کر رہے گی' جس کی مثالیں ایران اور سوڈان میں سامنے آ بھی چکی ہیں!

پھر آپ لوگوں کے معاملے میں ایک اضافی پیچیدگی یہ ہے کہ کوئی عیسائی اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہتا اور جب وہ تبلیغ کرتا ہے تو مسلمانوں کو صاف صاف اسلام ترک کر کے عیسائیت اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہے' جب کہ آپ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کو بزعم خویش 'کفر' سے تائب ہو کر اپنے خودساختہ 'اسلام' میں داخلے کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج تک پاکستان میں نہ کوئی گرجا مسمار کیا گیا نہ صلیب توڑی گئی' حتیٰ کہ یہودیوں کی عبادت گاہ بھی کراچی میں ثابت وسالم کھڑی ہے' لیکن آپ کی عبادت گاہوں کے خلاف اقدام ہو رہا ہے —— بنابریں مصلحت اسی میں ہے کہ آپ اپنی عبادت گاہوں کے لیے تعمیر کا ڈیزائن بھی کوئی نیا اختیار کر لیں اور ان کے لیے نام بھی نیا تجویز کر لیں۔ (جیسے مثلاً آپ کی علامہ اقبال روڈ لاہور پر واقع عبادت گاہ کا نام ''دارالذکر'' ہے!) اور ان کے باہر کلمہ طیبہ اور آیاتِ قرآنیہ لکھنے سے بھی احتراز کریں —— اس کے بعد آپ آزاد ہیں۔ اندر آپ

جو چاہیں لکھیں‘ جو چاہیں پڑھیں اور جس طرح چاہیں عبادت کریں۔ بصورت دیگر اگر آپ لوگوں نے اپنی ’جارحانہ دعوت وتبلیغ‘ کا سلسلہ جاری رکھا‘ بلکہ اس میں ’قوت کے مظاہرے‘ کا عنصر مزید شامل کرلیا تو یاد رکھئے کہ جس طرح ۱۹۷۴ء کی ربوہ ریلوے اسٹیشن کی ’جارحیت‘ آپ لوگوں کو بہت مہنگی پڑی تھی‘ اسی طرح اب پاکستان کے مسلمان حکومت سے یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ ’قتلِ مرتد‘ کی کتاب وسُنّت سے ثابت اور اجماعِ اُمت پر مبنی سزا کو فی الفور نافذ کیا جائے‘ تاکہ فتنۂ ارتداد کے آگے موثر بند باندھا جاسکے۔

اس سلسلے میں اگر قادیانی حضرات کا خیال یہ ہو کہ ان کے غیر مسلم اقلیت قرار دیے جانے اور پھر ان کے لیے ’اسلامی علامات‘ اختیار کرنے پر پابندی لگنے کے فیصلے کسی نے وقتی مصلحت کی خاطر کرا دیے ہیں اور کسی آئندہ حکومت کے لیے یہ ممکن ہوگا کہ انہیں تبدیل کرا سکے تو وہ بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ اس لیے کہ انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا تاریخ ساز فیصلہ تو ایک ایسی حکومت کے دور میں ہوا تھا جس سے زیادہ سیکولر مزاج حکومت کا پاکستان کے لیے تصور تک نہیں کیا جاسکتا —— اور اب جو اسی فیصلہ کے مطابق اگلا منطقی قدم اٹھایا گیا ہے تو یہ بھی کسی فردِ واحد کے مذہبی مزاج کا نتیجہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ اقدام بہت پہلے ہو جاتا —— بلکہ یہ دونوں اقدام ملکی سطح پر مسلسل عوامی دباؤ اور پورے عالم اسلام میں حالات کے ’احیاءِ اسلام‘ کے رُخ پر پیش قدمی کا نتیجہ ہیں —— جو اگرچہ نہایت سست رفتار بھی ہے‘ اور ہماری کوتاہیوں اور نااہلیوں کے باعث وقتی اور فوری ردّعمل اور اس کے نتیجے میں عارضی پسپائی کا شکار بھی —— بایں ہمہ اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ اب وہ دن بہت زیادہ دور نہیں ہیں جب خالص اور ٹھیٹھ دین محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کو عالمی غلبہ حاصل ہوگا اور کوئی مثیلِ ’’مسیح‘‘ نہیں بلکہ اصل اور حقیقی مسیح عیسیٰ ابن مریم علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے‘ اور ایک جانب موجودہ نام نہاد عیسائیت کو ختم کر دیں گے اور دوسری جانب یہودیوں اور ان کے معاونین کو کیفرِ کردار تک پہنچائیں گے!—— لہٰذا قادیانیوں کے لیے صحیح راہ ہدایت تو یہ ہے کہ وہ جھوٹے مدعیٔ نبوت سے کامل انقطاع اور اظہارِ براءت کر کے ع ’’آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک!‘‘ کے مصداق دوبارہ اصل اُمتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں شامل ہو جائیں — بصورتِ دیگر کم از کم عافیت کی راہ یہ ہے کہ مسلمان ممالک میں غیر مسلم اقلیت کی حیثیت کو دل سے قبول کر کے اپنی دعوت وتبلیغ کا رخ غیر مسلم ممالک کی جانب موڑ دیں۔

❁❁❁

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت

اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے فیصلے پر تبصرہ

از: ڈاکٹر اسرار احمدؒ (ماخوذ از میثاق‘ نومبر ۱۹۷۴ء)

اگرچہ جس وقت ’میثاق‘ کا یہ شمارہ طبع ہو کر قارئین کے ہاتھوں میں پہنچے گا‘ اُس وقت تک قادیانیوں کے غیر مسلم اقلیت قرار دیے جانے کا فیصلہ خاصا پرانا ہو چکا ہوگا‘ تاہم جی نہیں مانتا کہ میثاق کے صفحات اللہ تعالیٰ کے اس احسانِ عظیم پر اُس کی جناب میں ہدیہ تشکّر وامتنان پیش کرنے کی سعادت سے بالکل محروم رہ جائیں جو اس فیصلے کی صورت میں پوری ملّتِ اسلامیہ پر ہوا ہے —— اس لیے کہ اگرچہ عالم اسباب میں اس تاریخی فیصلہ کے بہت سے عوامل ہیں‘ تاہم واقعہ یہ ہے کہ فی الحقیقت یہ سب کچھ ایک خالص خدائی تدبیر کے نتیجے میں ہوا‘ جس نے جملہ اسباب وعوامل کو طوعاً وکرہاً اس طرح ایک ہی رخ میں پھیر دیا کہ اس فیصلے سے فرار کی کوئی راہ کسی کے لیے کھلی ہی نہیں رہی اور بالکل معجزانہ طور پر وہ کٹھن مرحلہ طے ہو گیا جس کے طے ہونے کا کوئی امکان آج سے چھ ماہ قبل کسی بڑے سے بڑے سیاسی پنڈت کو بھی نظر نہ آسکتا تھا۔

لہٰذا —— اگرچہ آنحضور ﷺ کے اس فرمانِ مبارک کے مطابق کہ ’’مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَا یَشْکُرُ اللّٰہَ‘‘ (’’جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرسکتا!‘‘) پوری ملتِ اسلامی کی جانب سے مبارکباد اور شکریے کے مستحق ہیں وہ عوام بھی جنہوں نے دینی غیرت اور حمیت کا بھرپور ثبوت بھی دیا اور صبر وتحمل اور نظم وضبط کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوڑا اور علماء کرام اور دینی وسیاسی جماعتوں کے رہنما اور کارکن بھی جنہوں نے نہایت منظّم طریقے پر عوام کے جذبات کی ترجمانی کا فرض سرانجام دیا اور اس سلسلے میں سخت محنت اور مشقت بھی برداشت کی اور ہر طرح کے خطرات بھی مول لیے۔ یہاں تک کہ قید وبند کی صعوبتیں بھی جھیلیں۔ خصوصاً مولانا محمد یوسف بنوری (رحمہ اللہ) جنہوں نے علالت وپیرانہ سالی اور ضعف ونقاہت کے باوجود ایسی شدید مشقت برداشت کی جس کا تحمل صحت منداور تنومند نوجوانوں کے لیے بھی مشکل ہو۔ پھر مبارکباد اور شکریے کے مستحق ہیں ممبرانِ اسمبلی اور ارکانِ پارلیمنٹ بھی جنہوں نے عوام کے جذبات کا بھی پورا لحاظ کیا اور خود بھی دیانت دارانہ اور حقیقت پسندانہ

روش اختیار کی اور حکومت وقت بھی جس نے نہ اسے اپنے وقار کا مسئلہ بنایا نہ نوشتۂ دیوار کو پڑھنے سے انکار کیا۔ خصوصاً مسٹر بھٹو جو سیاسی تدبّر اور فہم و فراست کے اس کڑے امتحان سے کامیابی کے پھریرے اڑاتے ہوئے نکلے—— لیکن ہمارے شکر و سپاس کا اصل حقدار اور ہمارے تشکر و امتنان کا سزاوارِ حقیقی ہے اللہ ربّ العالمین جو ''فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ'' بھی ہے اور ''غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ'' بھی اور جس کے قبضۂ قدرت میں ہیں تمام اسباب و علل اور جملہ وسائل و عوامل ''فَلَہُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَہُ الْحَمْدُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ''

جیسا کہ قارئین 'میثاق' کو معلوم ہے' راقم الحروف ۲۴ مئی سے ۳۰ جون (۱۹۷۴ء) تک تقریباً مسلسل لاہور سے باہر رہا۔ پہلے کچھ بحالی صحت اور کچھ بعض معاملات و مسائل پر گوشہ تنہائی میں غور و فکر کے پیش نظر ایک سفر ایبٹ آباد اور وادیٔ کاغان کا ہوا۔ پھر ایک طویل دورہ کراچی اور سندھ کے بعض دوسرے شہروں کا رہا۔ اسی دوران میں جب 'حادثۂ ربوہ' کی خبر پڑھی تو فوراً جو خیال دل میں پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ غالباً تقدیر الٰہی میں فتنہ قادیانیت کی جس قدر مہلت طے تھی وہ پوری ہو چکی اور یہ رسی جتنی دراز ہونی مقدر تھی وہ ہو چکی۔ آج سے اس کے زوال کا آغاز ہو گیا۔ گویا ایک انگریزی محاورے کے مطابق "This is the beginning of their end!" تبھی تو ان کی عقل ماری گئی اور ایسے ہوشیار اور مکّار و شاطر گروہ کے ہاتھوں اتنی بڑی حماقت کا ارتکاب ہو گیا۔ چنانچہ اثنائے سفر میں نجی گفتگوؤں میں بھی راقم اپنے اس تاثر کا اظہار کرتا رہا اور جب ۲۸ جون کو سکھر کی نئی تعمیر شدہ لیکن قدیم بادشاہی طرز کی عظیم جامع مسجد میں اجتماعِ جمعہ سے خطاب کا موقع ملا تو وہاں بھی راقم نے اپنے اس یقین کا اظہار کیا کہ یہ ایک خالص خدائی تدبیر ہے اور اس بار یہ مسئلہ ان شاء اللہ العزیز ضرور تسلی بخش طریقے پر طے ہو جائے گا—— اور پھر جب تقریباً ڈیڑھ ماہ کی غیر حاضری کے بعد راقم نے ۵ جولائی کو جامع مسجد خضراء سمن آباد لاہور میں پہلا جمعہ پڑھایا تو اس موقع پر بھی ایک مفصل تقریر میں پھر اسی توقع کا اظہار کیا۔ یہ تقریر جو اتفاقاً ٹیپ کر لی گئی تھی' رفقاء و احباب نے اپنے حسنِ نظر کے باعث بہت پسند کی' اور محترم شیخ جمیل الرحمٰن صاحب نے سخت محنت جھیل کر اسے صفحۂ قرطاس پر بھی منتقل کر لیا۔ ان کی شدید خواہش تھی کہ اسے 'میثاق' میں شائع کر دیا جائے۔ لیکن اس وقت سنسر کی پابندی کے باعث ان کی یہ خواہش پوری نہ کی جا سکی۔ ذیل میں اس کا ابتدائی حصہ درج کیا جا رہا ہے' تاکہ ایک تو ان کی خواہش پوری ہو جائے اور ان کی محنت بار آور ہو' اور دوسرے یہ نہ کہا جا سکے کہ ہمارے یہ خیالات وقوعہ کے پیش آ چکنے کے بعد کی خیال آرائیوں کے قبیل سے ہیں۔

''حمد و ثنا اور تلاوت آیات کے بعد عرض کیا گیا:

حضرات! ۲۴ مئی کے بعد آج ۵ جولائی (۱۹۷۴ء) کو ملاقات ہو رہی ہے۔ عجیب اتفاق یہ ہے کہ اِدھر تو جمعہ کے ان اجتماعات میں میرے خطابات کا سلسلہ عارضی طور پر لاہور سے باہر جانے کے سبب سے معطل ہوا اور اُدھر ملک میں ایک نہایت ہیجان انگیز واقعہ پیش آ گیا۔ یعنی حادثۂ ربوہ—— اور اس کے بعد پوری شدت کے ساتھ اس مسئلے نے سر اٹھا لیا جو اگرچہ موجود تو تقریباً ایک صدی سے ہے' لیکن جس کا شدت کے ساتھ احساس آج سے تقریباً اکیس سال قبل ۱۹۵۳ء میں ہوا تھا۔ لیکن ۱۹۵۳ء کے حوادث کے بعد یہ مسئلہ دوبارہ بالکل دب گیا تھا' اور بجز اس کے کہ بعض افراد جیسے جناب شورش کاشمیری اور ہمارے بزرگ حکیم عبدالرحیم اشرف اس کی فتنہ سامانی کی طرف توجہ دلاتے رہتے تھے یا بعض ادارے وقتاً فوقتاً کچھ کتابچے اور پمفلٹ اس کے بارے میں شائع کرتے رہتے تھے' کوئی عوامی تحریک اس مسئلے کے بارے میں موجود نہ تھی۔ اب ربوہ کے اس حادثہ نے اس کو از سرِ نو زندہ کر دیا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پہلی مرتبہ اس کی حقیقی فتنہ انگیزی' اس کی سازشی فطرت اور اس کی مکاری کا ملک گیر احساس اجاگر ہوا اور ایوانِ حکومت سے لے کر خواص و عوام سب کی توجہ ادھر مبذول ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس مرتبہ جو یہ مسئلہ اٹھا تو وہ کسی سیاسی پارٹی کی کوشش اور محنت سے نہیں اٹھا—— بلکہ میں نے جہاں تک حالات کا تجزیہ کیا ہے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ خالص ایک خدائی تدبیر ہے کہ اس طائفے کی عقل ماری گئی اور اس نے خود ہی اپنے ایک انتہائی غلط اقدام سے اس مسئلے کو زندہ کر دیا!

یہ فتنہ اپنے سازشی کردار اور خاموشی لیکن انتہائی مہارت اور مشّاقی کے ساتھ جسدِ ملت میں سرطان کے پھوڑے کی طرح جڑیں جمانے کے اعتبار سے پوری ملّتِ اسلامیہ کی تاریخ میں منفرد مقام رکھتا ہے اور عام طور پر اس کی ہلاکت انگیزی کا لوگوں کو اندازہ نہ تھا' بلکہ تعلیم یافتہ حضرات میں سے بھی اکثر لوگ اس سے بالکل ناواقف تھے یا اس کے بارے میں گوناگوں غلط فہمیوں میں مبتلا تھے۔ اس مرتبہ جو یہ مسئلہ اٹھا ہے تو اگرچہ قادیانیوں نے تو اس کا کریڈٹ بھٹو صاحب کو دینے کی کوشش کی ہے' تاہم اسے بھی ان کی سابقہ مکاریوں کا ایک تتمّہ یا ضمیمہ ہی سمجھنا چاہیے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس دفعہ اس مسئلہ کے ابھرنے اور اٹھنے میں نہ حکومت کا کوئی عمل دخل ہے نہ کسی اپوزیشن پارٹی کا ہاتھ' بلکہ واقعہ یہ ہے کہ علماء کی کسی تنظیم یا جماعت کا بھی اس میں کوئی دخل نہیں ہے! اور حقیقت یہ ہے کہ اس بار اس کے کریڈٹ کا کوئی شخص اور کوئی سیاسی پارٹی دعویٰ نہیں کر سکتی' بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا' اس مرتبہ یہ مسئلہ ایک خالص خدائی

تدبیر کے تحت اٹھا ہے اور اس کا کریڈٹ اگر کسی کو پہنچتا ہے تو وہ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ گرامی ہے۔

میرے اس یقین کی بنیاد یہ حقیقت ہے کہ اس مرتبہ قادیانیوں کی طرف سے ربوہ سٹیشن پر جو اقدام ہوا وہ ان کے اپنے اساسی فلسفے' بنیادی طریق کار اور اپنے سابق طرزِ عمل سے بالکل مختلف ہے۔ ان کا رویہ اور طریقہ ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ حکومتِ وقت کو سلام کرو اور اس کی کاسہ لیسی' مدح سرائی اور اس کی ثنا خوانی کر کے اس سے مراعات حاصل کرو اور ان مراعات کے تحت غیر محسوس طور پر اندر ہی اندر اپنی جڑیں پھیلاؤ۔ امّتِ مسلمہ سے براہِ راست تصادم سے ہمیشہ کنّی کترانا ان کا وطیرہ رہا ہے۔ یہی ان کا ابتدا سے فلسفہ ہے' یہی ان کا طریق کار ہے۔ انہوں نے نہ کبھی سیاسی میدان میں خود کو نمایاں کرنے کی کوشش کی اور نہ ہی کسی موقع پر جارحیت کا کوئی انداز اختیار کیا۔ اس لیے کہ سیاست کا مبتدی طالب علم بھی یہ بات جانتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی جمعیتیں اور جماعتیں یا فرقے اور گروہ کسی ملک میں بھی جارح ہو کر نہیں جی سکتے۔ مظلوم و مجروح ہو کر رہنے میں تو پھر بھی ان کے زندہ رہنے کا امکان رہتا ہے۔ جارحیت کی صورت میں تو سوائے خاتمے کے اور کوئی صورت ہی نہیں۔ یہی فلسفہ تھا جس کے سہارے یہ آج تک پنپتے رہے ہیں۔ اسی فلسفے پر وہ انگریزی دور میں پوری طرح کاربند رہے۔ حکومتِ برطانیہ کی قصیدہ گوئی' اس کی خوشامد' اس کو رحمت خداوندی قرار دے کر' اس کو بقاء و ترقی کی دعائیں دے کر' اس کے مقاصد و مفادات میں ممدّ و معاون ہو کر' اس کے زیرِ سایہ اور زیرِ عاطفت رہ کر' اور اس سے مراعات حاصل کر کے جسدِ ملّت میں یہ سرطان کے مانند اپنی جڑیں پھیلاتے رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد بھی یہ اسی طریق کار پر عمل پیرا رہے ہیں کہ خواہ کوئی بھی حکومت ہو اور کوئی بھی شخص یا جماعت برسرِ اقتدار ہو' خود کو اس کا وفادار ثابت کریں اور خوشامد کے ذریعے مراعات پر مراعات حاصل کرتے چلے جائیں۔

یہ پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ نہ صرف ان کی طرف سے جارحیت کا ارتکاب ہوا' بلکہ انہوں نے اس جارحیت کو وقت کی حکمران سیاسی پارٹی سے منسوب کرنے کی حماقت کر کے حکومتِ وقت کو اپنے مدِ مقابل لا کھڑا کیا۔ گویا ان کی حماقت کے نتیجے میں حکومت اور عوام دونوں ایک صف میں کھڑے ہو گئے اور حکومت اور عوام بلکہ حکمران جماعت اور اپوزیشن کے مابین کسی قسم کی سیاسی غلط فہمی کے پیدا ہونے کا امکان ختم ہو گیا۔ لہٰذا ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ ایک طرف تو یہ مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ دوسری طرف خود بخود حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ حکومت اور عوام' سیاسی پارٹیوں کی باہمی کشاکش کی نوبت آئے بغیر یہ امید ہو چلی ہے کہ اس مرتبہ' ان شاء اللہ' اس مسئلہ کا ایسا حل ضرور نکل آئے گا جو امت کے لیے قابل قبول ہو۔ اس سے پہلے کبھی ایسی

صورت حال رونما نہیں ہوئی کہ اس مسئلے کے حل کی طرف کوئی ادنیٰ سا اقدام بھی ہوا ہو۔ لیکن اس مرتبہ تائیدِ ایزدی سے ایسے حالات خود بخود پیدا ہو گئے ہیں کہ ان شاء اللہ العزیز اس بار یہ مسئلہ کھٹائی میں نہیں پڑ سکے گا۔ اس لیے کہ بحمد اللہ اس حد تک تو معاملہ آ گیا ہے کہ ایک طرف ایک اعلیٰ سطحی تحقیقاتی عدالت کا تقرر ہوا ہے' جس کے Terms of Reference کافی وسیع کر دیے گئے ہیں۔ تمام معاملات اس عدالت کے سامنے لائے جا رہے ہیں۔ اگر یہ عمل جاری رہا تو اس گروہ کا گھناؤنا کردار اس تحقیقی عدالت کے سامنے آ جائے گا اور یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ اس گروہ کا مقام دائرۂ ملّت کے اندر نہیں بلکہ باہر ہے۔ دوسری طرف اس ملک کے اعلیٰ ترین بااختیار ادارے یعنی ملک کی اسمبلی اور پارلیمنٹ میں بھی اس مسئلے پر باقاعدہ غور و فکر شروع ہو گیا ہے۔ یہ دونوں صورتیں اس مسئلہ کے صحیح حل کے لیے نہایت مناسب ہیں۔ اس وقت اس بات سے بالکل قطع نظر کر لیجیے کہ اس مسئلہ کے حل سے کس کا کیا مفاد وابستہ ہے۔ حکمران پارٹی کیا چاہتی ہے اور اپوزیشن پارٹیاں کیا چاہتی ہیں؟ ان سب سے صرف نظر کرتے ہوئے میں یہ بات عرض کرتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے شکر کا مقام ہے کہ اس مسئلہ کے حل کے لیے قانونی اور دستوری طور پر جو صحیح اقدامات کیے جا سکتے ہیں وہ کر لیے گئے ہیں اور یہ امید پیدا ہو چلی ہے کہ اس مرتبہ یہ مسئلہ ان شاء اللہ ضرور حل ہو جائے گا۔

البتہ اس موقع پر تین احتیاطوں کی سخت ضرورت ہے۔

ایک احتیاط تو عوام کو کرنی چاہیے کہ معاملہ کسی صورت میں بھی ہنگامہ' ایجی ٹیشن اور دنگے فساد کی شکل اختیار نہ کرنے پائے۔ اس لیے کہ یہ قادیانیوں کے جال میں پھنسنے کے مترادف ہو گا۔ بعض معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ۱۹۵۳ء میں بھی قادیانیوں نے پاکستان سے نقل مکانی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان کی یہ کوشش بھی تھی کہ کسی طرح ہنگامہ کی صورت پیدا ہو اور حکومت اور عوام کے مابین شدید نوعیت کا تصادم پیدا ہو جائے —— اور جب وہ اس میں کامیاب ہو گئے اور مارشل لاء لگ گیا تو وہ جو چاہتے تھے وہ ہو گیا اور ان کے قدم جم گئے۔ اب بھی ان کی طرف سے اشتعال انگیزی کی جا رہی ہے۔ اب تک جہاں بھی فساد اور لوٹ مار کا معاملہ ہوا یا فائرنگ تک نوبت پہنچی وہاں ابتدا ان ہی کی طرف سے ہوئی ہے اور انہوں نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ اس کو ایک ہنگامہ خیز اور دھماکہ خیز صورت بنا دیا جائے اور حالات کا رخ اس طرف پھیر دیا جائے کہ ملک میں Law & Order کا گھمبیر مسئلہ اٹھ کھڑا ہو' تاکہ حکومت اور عوام میں خوفناک تصادم ہو جائے۔ نتیجتاً موجودہ دستوری اور آئینی نظام درہم برہم ہو جائے اور اختیارات فوج کے ہاتھوں میں منتقل ہو جائیں۔ فوج کا

معاملہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو کسی سیاسی یا دینی مسئلہ کی تائید یا مخالفت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ وہ خالص انتظامی معاملہ سمجھ کر Law & Order قائم کرنے کے لیے ہر قسم کی بدامنی اور ہنگامے کو فرو کر دینا اپنا فرض منصبی سمجھتی ہے۔ لہٰذا قادیانیوں کو اسی میں اپنی عافیت نظر آتی ہے کہ ملک میں بڑے پیمانہ پر لاء اینڈ آرڈر کا مسئلہ کھڑا کر دیا جائے اور عوام اور حکومت میں کسی طرح شدید تصادم کرا دیا جائے۔ آپ نے بھی سنا ہوگا کہ ربوہ میں کسی جگہ نمایاں طور پر یہ عبارت لکھی گئی تھی کہ ''خدا اپنی فوجوں کے ساتھ آ رہا ہے''۔ گویا انہوں نے اپنی طرف سے اس بات کا پورا اہتمام کر لیا تھا کہ کسی طرح ملک میں سول ایڈمنسٹریشن فیل ہو جائے اور فوج حکومت کے اختیارات اپنے ہاتھ میں سنبھال لے' تاکہ ایک طرف دستور معطل ہو جائے اور دوسری طرف وہ اپنے سازشی طور طریقوں سے فوج کو متاثر کر کے فائدہ اٹھا سکیں۔ لہٰذا اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ عوام ہر قسم کی اشتعال انگیزی پر ضبط و تحمل اور صبر سے کام لیں اور کسی وقت بھی کوئی ایسی صورتحال پیدا نہ ہونے دیں۔ جس سے Law & Order کا مسئلہ کھڑا ہو جائے۔ اگر اس موقع پر قادیانیوں کی اشتعال انگیزی کے جواب میں ہماری جانب سے بھی اسی قسم کا معاملہ ہو گیا تو درحقیقت یہ قادیانیوں کی تدبیر کی کامیابی ہوگی اور گویا ہم خود ان کے جال میں پھنس جائیں گے۔

دوسری احتیاط تمام سیاسی اور دینی پارٹیوں کو یہ کرنی چاہیے کہ اس مسئلہ کے اٹھانے اور اس کے حل کا کریڈٹ لینے کی کوشش سے بھرپور اجتناب کیا جائے۔ کسی سیاسی پارٹی کی جانب سے اس مسئلے سے سیاسی مفاد حاصل کرنے کی ادنیٰ سی کوشش بھی پورے معاملہ کو خراب کر سکتی ہے۔ لہٰذا اس سے دامن بچانا از حد ضروری ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس موقعہ پر کسی پارٹی کی جانب سے اس رجحان کا اظہار کہ یہ معاملہ اس کی کوششوں سے اٹھا ہے اور اس کی کامیابی کا سہرا اس کے سر بندھنا چاہیے' انتہائی تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔

تیسری احتیاط یہ ہونی چاہیے کہ کسی موقع پر بھی اس معاملہ کو حکومت اور حزب اختلاف کے مابین طاقت آزمائی کا رنگ نہ دیا جائے۔ ماضی میں ایسا ہو چکا ہے کہ اس مسئلے سے بعض گروہوں اور سیاسی پارٹیوں نے سیاسی مفادات حاصل کرنے کی کوشش کی اور اس کو حکومت versus حزب اختلاف کا مسئلہ بنا دیا' جس کے نتیجہ میں مسئلہ حل ہونے کے بجائے لاینحل بن گیا۔ اس موقع پر یہ صورتحال پیدا نہیں ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں یہ بات نہایت امید افزا اور اطمینان بخش ہے اور گویا ایک نہایت نیک شگون کا درجہ رکھتی ہے کہ اس بار متحدہ مجلس عمل (تحفظِ ختمِ نبوت) کی قیادت مولانا سید محمد یوسف بنوری مدظلہ کو سونپی گئی ہے' جو ایک خالص غیر سیاسی شخصیت ہیں' اور چاہے ملک کے ہر شہری کی طرح ان کے بھی کچھ مخصوص سیاسی

نظریات ہوں' بہرحال وہ عملی سیاست کے میدان سے بالکل علیحدہ رہتے ہوئے صرف علمی اور تدریسی مشاغل میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ مجھے قوی امید ہے کہ مولانا کی قیادت میں یہ تحریک سیاست کی نذر ہونے سے بچ جائے گی اور معاملہ حکومت بمقابلہ حزب اختلاف کا نہیں بنے گا—— بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر مسئلے کے حل کا کریڈٹ حکمران پارٹی لینا چاہتی ہو تو وہ بے شک لے لے۔ ہمیں ساری دلچسپی اس سے ہونی چاہیے کہ اس مرتبہ کسی طرح یہ مسئلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کے مطالبے کے مطابق حل ہو جائے۔ میں اسی بات کو سکھر کے ایک اجتماع میں بھی بیان کر چکا ہوں' مختلف ذرائع سے اپنی یہ گزارشات علماء کرام اور سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں تک بھی پہنچا چکا ہوں اور آج پھر اس کا اظہار کر رہا ہوں کہ اس مرتبہ یہ مسئلہ خود قادیانیوں کی حماقت سے اٹھا ہے' پورے زور شور سے اٹھا ہے۔ اس مسئلہ کے اٹھانے میں کسی سیاسی پارٹی کا کوئی دخل نہیں ہے' یہ خالص خدائی تدبیر ہے۔ اللہ نے ہمیں موقع عطا فرمایا ہے کہ ہم اس صورتحال سے صحیح فائدہ اٹھا لیں۔ اگر ہم نے کفرانِ نعمت کیا تو نہیں کہا جا سکتا کہ یہ مسئلہ کتنے طویل عرصے کے لیے دوبارہ سرد خانے میں چلا جائے۔ اس مسئلہ کو نئے سرے سے اٹھانا آسان نہیں ہوگا۔ ۱۹۵۳ء کے بعد سے یہ مسئلہ جس طرح دب گیا تھا وہ آپ کو معلوم ہے۔ لہٰذا اس موقع پر ہمیں پورے دینی اور سیاسی فہم کا ثبوت دینا چاہیے اور ہر قسم کی اشتعال انگیزی پر ضبط و تحمل کا ثبوت دیتے ہوئے پرامن ذرائع سے اپنا مطالبہ جاری رکھنا چاہیے۔ دلائل سے اپنی بات منوانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہنگامہ آرائی سے دامن بچانا چاہیے۔ اس کو حکومت اور حزب اختلاف کے مابین نزاعی مسئلہ بنانے سے پہلوتہی کرنی چاہیے اور اس کا کریڈٹ لینے کی کوشش سے ہر سیاسی پارٹی بالخصوص اپوزیشن کو بچنا چاہیے۔ ہم کو یہ بات خاص طور پر پیش نظر رکھنی چاہیے کہ یہ پہلا موقع ہے کہ حکومت کی سطح پر اس فتنہ پر تشویش کا اظہار ہوا ہے اور بڑی اعلیٰ سطح پر یہ احساس اجاگر ہوا ہے کہ اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کرنے اور اس کا صحیح حل تلاش کرنے کی واقعتاً ضرورت ہے۔ یہ صورت حال بڑی اطمینان بخش ہے۔ لہٰذا ہمیں موقع دینا چاہیے کہ ایوانِ نمائندگان پُرامن فضا میں اس مسئلہ کو اس صحیح حل تک پہنچا سکے جو پوری اُمت مسلمہ کے لیے قابل قبول ہو۔

جہاں تک اس مطالبہ کا تعلق ہے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے' تو حقیقت یہ ہے کہ مولانا امین احسن اصلاحی کے بقول اس سے زیادہ نرم کوئی اور مطالبہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ کسی کمیونٹی (community) کو باقاعدہ اقلیت (minority) تسلیم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اسے بہت سے قانونی حقوق اور تحفظات دے دیے جائیں۔ یہ گویا ایک اعتبار سے اس

کی قانونی حیثیت کا اقرار (recognition) اور بین الاقوامی سطح پر اس کے حقوق کا اعتراف ہے۔ اگر کوئی ملک کسی کمیونٹی کو اپنے ہاں اقلیت (Minority Community) کی حیثیت سے تسلیم کرلے تو گویا یونائیٹڈ نیشنز کے تمام ادارے اس کے پشت پناہ ہوگئے۔ یو این او اس کی کسٹوڈین بن گئی۔ بین الاقوامی عدالت اس کے معاملات میں مداخلت کی مجاز ہوگئی۔ بحیثیت اقلیت ان کے حقوق آپ کو باقاعدہ طے کرنے ہوں گے اور ان کو اپنی کتاب دستور میں مندرج کرنا ہوگا۔ ان حقوق کی ادائیگی کی آپ کو ضمانت دینی ہوگی اور آپ کے ملک کی عدالت عالیہ ان حقوق کی نگہداشت کرے گی۔ قادیانیوں کے لیے اس سے زیادہ فیاضانہ سلوک کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔ ختم نبوت کا عقیدہ اُمت مسلمہ کا ایک ایسا اجماعی عقیدہ ہے کہ اس میں کسی اعتبار سے رخنہ ڈالنا یا دراڑ پیدا کرنا ہمیشہ سے ارتداد کی ایک پختہ اور متفق علیہ بنیاد رہی ہے۔ دوسری طرف قتلِ مرتد اور خصوصاً منظم مرتدین کے ساتھ قتال کے مسئلے پر بھی ہمیشہ سے امت کا اجماع ہے۔ یہ تو اس دور کی ''برکات'' ہیں۔ بقول اکبرالٰہ آبادی مرحوم کہ:

گورنمنٹ کی خیر یارو مناؤ
گلے میں جو آئیں وہ تانیں اڑاؤ
کہاں ایسی آزادیاں تھیں میسر
'انا الحق' کہو اور پھانسی نہ پاؤ!

کہ جس نے جو چاہا کہہ دیا اور جو جی میں آیا دعویٰ کر دیا اور اسے کوئی فکر نہیں کہ میرا حشر کیا ہوگا اور میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا؟ مرزا صاحب کے تمام دعاوی برٹش راج میں ہوئے۔ یہ دعاوی برطانوی سامراج کے اپنے مفاد میں تھے۔ پھر مسلمانوں میں انتشارِ فکر ونظر اس کو عین مطلوب تھا۔ لہٰذا وہ کیوں ان کا نوٹس لیتا؟ اس نے تو ان کی سرپرستی کی اور خوب سرپرستی کی۔ اس کی سرپرستی اور نگہداشت میں یہ پودا نہیں' جھاڑ جھنکار نشوونما پاتا رہا۔ اگر کہیں خلافت راشدہ کا دور ہوتا یا کوئی بھی اسلامی حکومت ہوتی تو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جاتا۔ ایسا دعویٰ کرنے والے کا مقام دار ورسن ہوتا یا پھر اس دعویٰ کو ماننے والوں کے ساتھ باقاعدہ قتال ہوتا' ان کی جان اور ان کا مال مسلمانوں کے لیے مباح قرار پاتا اور ان کے ساتھ معاملہ وہی کیا جاتا جو متحارب کفار اور مشرکین کے ساتھ کیا جاتا رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اُمتِ مسلمہ کا سینہ بڑا کشادہ رہا ہے۔ ہمارے ہاں تکفیر کا مسئلہ بہت ہی نازک مسئلہ سمجھا گیا ہے۔ عام طور پر جو یہ بات مشہور ہے کہ تکفیر ایک آسان سا معاملہ ہے تو یہ بہت بڑا مغالطہ ہے۔ ہمارے ہاں تکفیر کا معاملہ بہت کم ہوا ہے۔ عام طور پر ہمارے ہاں

کفر کا فتویٰ مختلف عقائد اور مختلف اعمال پر لگتا رہا ہے۔ متعین افراد یا گروہوں کی باقاعدہ تکفیر شاذ ہی کبھی ہوئی ہے۔ آپ کو گنتی کی مثالیں ہی ملیں گی کہ کسی اسلامی حکومت نے متعین طور پر کسی متعین شخص یا جماعت کی تکفیر کر کے اس کو جسدِ ملت سے کاٹ پھینکا ہو۔ ارتداد یا تکفیر کا معاملہ انہی افراد کے ساتھ کیا گیا ہے کہ جن کے قول اور عقیدہ کی کوئی تاویل اور توجیہہ ممکن ہی نہ رہی ہو اور صریح ارتداد یا کفر کا ایسا ثبوت فراہم ہوگیا ہو جس کی تردید ممکن نہ ہو۔ پھر ایسے افراد کے ساتھ بھی انتہائی سزا یعنی قتل سے قبل پوری طرح افہام وتفہیم کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں عیسائیت کی تاریخ آپ کو بتائے گی کہ کتنی معمولی' چھوٹی اور بالکل فروعی باتوں پر کیسی کیسی بہیمانہ اور وحشیانہ سزائیں دی جاتی تھیں اور کس طرح بے دریغ ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا تھا۔ ہمارا اجتماعی مزاج اس کے بالکل برعکس رہا ہے —— لیکن قادیانیوں کا معاملہ یہ ہے کہ انہوں نے وہ رخنہ پیدا کیا ہے کہ اگر اس سے صرف نظر کیا گیا تو ملت کی شیرازہ بندی ممکن ہی نہیں رہے گی۔ دعوائے نبوت درحقیقت وہ رخنہ اور فتنہ ہے کہ جس سے وہ بنیاد ہی منہدم ہو جاتی ہے جس پر اسلام کا قصر کھڑا ہے۔ نبوت سے کم تر درجہ کے بہت سے فتنے ہمارے ہاں اٹھتے رہے اور اُمت نے انہیں برداشت کیا ہے۔ لیکن نبوت کا دروازہ وہ دروازہ ہے کہ اگر اس کو ایک ہی بار کھول دیا گیا تو منطقی طور پر اُمت میں تفریق کا ایک مسلسل عمل شروع ہو جائے گا جس کی کوئی حد مقرر نہیں ہو سکتی۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی دعویٰ نبوت کرے تو لازماً اس کے دو نتائج مترتب ہوں گے۔ اس کو ماننے والا 'مؤمن' اور اس کا انکار کرنے والا 'کافر' قرار پائے گا۔ نبی ایک میزان اور فرقان بن کر آتا ہے۔ وہ کفر وایمان کا معیار بن کر آتا ہے۔ جو اس کو نہ مانے' چاہے وہ دیگر تمام باتوں کو مانتا ہو' یہاں تک کہ وہ خدا کو مانتا ہو اور خالص توحید کے ساتھ مانتا ہو' وہ آخرت کو مانتا ہو اور ان تمام تفاصیل کے ساتھ مانتا ہو' جن کی خبر انبیاء ورسل دیتے چلے آئے ہیں' وہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اس نبی سے پہلے آنے والے تمام نبیوں اور رسولوں کو مانتا ہو' تمام صحیفوں اور کتابوں کو مانتا ہو' ملائکہ کو مانتا ہو' زاہد ہو' عابد ہو' بڑا ہی متقی ہو۔ لیکن مجرد اس بات سے کہ اس نے ایک نبی کا انکار کر دیا' اس پر کفر کا ٹھپہ لگ جائے گا اور وہ 'مؤمن' نہیں بلکہ 'کافر' قرار پائے گا۔ گویا نبوت کا لازمی اور منطقی نتیجہ تفریق ہے۔ غور کیجیے کہ یہود اور نصاریٰ کے مابین آخر کیا چیز مابہ الاختلاف ہے؟ عیسائی اب بھی جس کتاب کو لیے پھرتے ہیں' اس میں انجیل (New Testament) کے ساتھ ساتھ عہد نامہ عتیق (Old Testament) کے نام سے بنی اسرائیل کے انبیاء پر نازل ہونے والے تمام صحیفے شامل ہیں۔ گویا عیسائی تورات'

زبور اور تمام صحیفوں کو بھی مانتے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام نبیوں اور رسولوں کو بھی مانتے ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ دو علیحدہ علیحدہ امتیں ہیں۔ یہ فرق کیوں واقع ہوا؟ صرف اس لیے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا اور عیسائیوں نے اس کو مانا تو بنی اسرائیل میں تفریق ہوگئی۔ اب یہ دو بالکل جدا امتیں ہوگئیں۔ یہود کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی اور رسول ماننے والے دائرۂ ایمان سے خارج ہو کر کافر ہو گئے اور عیسائیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انکار کی وجہ سے یہود کافر قرار پائے۔ مزید غور کیجیے کہ ہمارے اور عیسائیوں کے مابین فرق کیا ہے؟ یہاں میری مراد ان لوگوں سے ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا نبی اور رسول مانتے ہوں اور جو حقیقتاً حضرت مسیح علیہ السلام کے متبع ہوں۔ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں‘ لیکن یہ متبعین حضرت مسیحؑ ہمارے نبی سید المرسلین‘ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے۔ لہٰذا ہمارے نزدیک وہ کافر اور ان کے نزدیک ہم کافر۔ گویا یہ وہ منطقی نتیجہ ہے جس تک خود قادیانیوں نے اس مسئلے کو پہنچایا ہے۔ جب وہ ایک نئی نبوت پر ایمان کے مدعی ہیں تو ان کے نزدیک اس نبوت کا انکار کرنے والے کافر اور ہمارے نزدیک اس نبوت کو ماننے والے کافر!

اس حقیقت کو بھی اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ آخر کیا وجہ تھی کہ نئی نبوت کا کھڑاک مول لیا گیا؟ حقیقت یہ ہے کہ نبوت کی بنیاد پر جو تنظیم قائم ہوتی ہے اس سے زیادہ مضبوط تنظیم کا آپ تصور ہی نہیں کر سکتے۔ جس کسی نے کسی کو نبی مان لیا اس نے گویا ہر اعتبار سے اپنے آپ کو اس نبی کی کامل فرمانبرداری میں دے دیا اور خود کو بالکلیہ surrender کر دیا۔ اور اب اس نبی کے مقابلے میں اس کا فکر‘ اس کی عقل اور اس کی رائے سب معطل ہو جائیں گے۔ کوئی شخص جب ظلی طور پر‘ بروزی طور پر یا کسی اور اعتبار سے خود کو ایک مرتبہ نبی منوا لے تو اب وہ ماننے والے کے لیے امام معصوم بھی ہو گیا‘ واجب الاطاعت بھی ہو گیا۔ اس کی رائے سے اختلاف اور اس کے حکم سے انحراف کفر ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ اس کے خلاف دل میں کدورت کے جذبات رکھنا بھی کفر ہو جائے گا۔ پس ایسے شخص کے گرد جو تنظیم بنے گی اس سے زیادہ مضبوط تنظیم کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ایسی تنظیم کے علاوہ جو دوسری تنظیمیں ہوں گی ان کے صدر سے‘ امیر سے‘ سربراہ سے آپ اختلاف کر سکتے ہیں‘ آپ ان کے خلاف سوءِ ظن میں بھی مبتلا ہو سکتے ہیں‘ ان کی رائے کے مقابلہ میں اپنی رائے پیش بھی کر سکتے ہیں اور اس پر عمل بھی کر سکتے ہیں‘ کیونکہ یہاں معاملہ ایمان و کفر کا نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے برعکس جہاں کسی کو نبی مان لیا گیا ہو‘ وہاں ان تمام امکانات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہ امر واقعہ ہے کہ اس برصغیر میں قادیانیوں کی تنظیم سے بہتر اور مضبوط کوئی تنظیم نہیں ہے اور اس کا سبب یہی نبوت کا تصور ہے۔ یہ فائدہ نبوت کے

دعویٰ کے بغیر حاصل ہونا ممکن ہی نہیں تھا۔

پھر انہوں نے نبوت کے لازمی اور منطقی نتیجہ کو خود ہی لوگوں کے سامنے واضح کر کے پیش کر دیا۔ عامۃ المسلمین سے ان کی مساجد علیحدہ‘ نمازیں علیحدہ‘ یہاں تک کہ وہ ہمارے جنازے میں شرکت نہیں کریں گے (۱)۔ حد یہ ہے کہ وہ ہمارے بچوں کے جنازے میں بھی شریک نہیں ہوں گے۔ یہ بات باقاعدہ سوال و جواب کی صورت میں ان کے لٹریچر میں موجود ہے۔ مرزا بشیر الدین محمود سے پوچھا گیا کہ بچے تو معصوم ہوتے ہیں‘ لہٰذا اگر غیر احمدی بچوں کے جنازہ کی نماز میں شرکت کر لی جائے تو کیا حرج ہے؟ جواب دیا گیا کہ کیا آپ عیسائیوں کے بچوں کے نماز جنازہ میں شرکت کر سکتے ہیں؟ اسی طرح انہوں نے کسی غیر احمدی لڑکے سے احمدی لڑکی کا نکاح ناجائز اور غیر احمدی کی لڑکی سے احمدی کا نکاح جائز قرار دیا۔ دلیل یہ دی گئی کہ اہل کتاب کی لڑکیوں سے نکاح جائز‘ لیکن ان کو لڑکی دینا ناجائز ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ اس معاملہ کو منطقی انتہا تک تو قادیانی خود پہنچائیں۔ اس کے جملہ مضمرات کو کھول کر وہ خود واضح کریں —— اور اس کے بعد اس کا جو عملی نتیجہ نکلنا چاہیے‘ یعنی یہ کہ ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے‘ تو یہ اس پر واویلا کریں۔ اس میں آخر کیا معقولیت ہے؟ خوب اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ اعتقادی طور پر وہ اپنے آپ کو خود ہی ایک علیحدہ امت قرار دے چکے ہیں۔ لیکن وہ اس کے مقدرات کو اس لیے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ اس طرح ان کے توسیع پسند عزائم میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ امت مسلمہ میں شامل رہ کر وہ جس طرح ہر قسم کے مادی فوائد سے متمتع ہو رہے ہیں اس میں خلل واقع ہوتا ہے۔ غیر مسلم اقلیت ہونے کے باعث وہ حکومت کے تمام کلیدی مناصب سے محروم کر دیے جائیں گے۔ نیز حکومت کے دفاتر اور محکمہ جات کی ملازمتوں میں تناسب تعداد کے لحاظ سے ان کا کوٹا مقرر ہو جائے گا۔ تبلیغ اسلام کے نام سے جو زرمبادلہ کثیر مقدار میں وہ ہر سال حاصل کرتے ہیں‘ اس پر قدغن لگ جائے گی۔ مسلمانوں میں شامل رہنے کے سبب سے فوج‘ سفارت خانوں اور دیگر محکموں کے اعلیٰ عہدوں تک ان کو جو پہنچ اور دسترس حاصل ہے‘ اس پر پابندی عائد ہو جائے گی۔ یہ نقصانات وہ ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کر سکتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ آکاس بیل کی طرح شجرِ ملّت سے لپٹے رہیں‘ تاکہ اسی سے غذا حاصل کرتے رہیں اور اسی کی بربادی کا باعث ہوں۔ اسی لیے وہ واویلا مچا رہے ہیں اور خود کو ’’مسلمان‘‘ ثابت کرنے کے لیے اپنے روایتی دجل و فریب سے کام لے رہے ہیں —— حالانکہ انہوں نے خود اپنے

(۱) مشہور ہے کہ چودھری سر ظفر اللہ خان صاحب نے جو لیاقت علی خان مرحوم کی کابینہ میں اس وقت وزیر امور خارجہ تھے‘ اپنے محسن اور مربّی اور بانی پاکستان محمد علی جناح مرحوم کے نماز جنازہ میں شرکت نہیں کی تھی۔

اختیار کردہ موقف کے اعتبار سے اپنے علاوہ بقیہ تمام مسلمانوں کو 'کافر' قرار دے کر بحیثیت ایک جداگانہ اُمت اپنا تشخص تین چوتھائی صدی قبل ہی علیحدہ کر لیا تھا۔ ان حالات کی بنا پر ہر معقول اور انصاف پسند شخص اس نتیجہ پر بہ ادنیٰ تأمل پہنچ جاتا ہے کہ قادیانیوں کو ایک جداگانہ غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے —— اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ انتہائی نرم' معقول اور ہلکا' نیز ان کے حق میں مفید فیصلہ ہے' اور اس طرح ان کو بین الاقوامی سطح پر Minority Community کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر یہاں فی الواقع دینی نظام نافذ ہوتا تو ان پر جو کچھ بیتتی اور ان کو نئی نبوت کے اجراء اور اس کو ماننے کے جو نتائج بھگتنے پڑتے وہ ان کے لیے کہیں زیادہ سخت ہوتے۔ یہ تو لادینیت کا دور ہے اور ملک میں ابھی تک بالفعل انگریزی دور کا نظام معمولی حک و اضافہ کے ساتھ نافذ ہے' اسی لیے ان کے ساتھ انتہائی نرم سلوک کا مطالبہ ہے۔ ورنہ ان کے ساتھ معاملہ وہ ہوتا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوا' اور خلافتِ راشدہ کے بعد بھی اسلامی سلطنت میں اِرتداد کی جو سزائیں دی جاتی رہیں' ان کا ان سزاؤں سے واسطہ پڑتا۔ یہ تو اکبر الٰہ آبادی مرحوم کے بقول اس دور کی برکت ہے کہ ''اَنا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ!'' —— کتنے ہی لغو اور مضحکہ خیز دعاوی کیے گئے' حتیٰ کہ نبوت کے قلعے میں بھی رخنہ ڈال دیا گیا اور نئی نبوت کے ٹھاٹھ بالفعل جما دیے گئے۔ اپنے علاوہ عالمِ اسلام کے تمام مسلمانوں کو کافر قرار دے دیا' ان کے بچوں کی بھی تکفیر کر ڈالی' لیکن نہ صرف یہ کہ ان کا کچھ نہ بگڑ سکا' بلکہ وہ مسلمانوں میں شامل رہ کر تمام حقوق سے استفادہ کرتے رہے اور اپنے خالص سازشی کردار اور 'انجمن امداد باہمی' کے طرز پر کام کرتے ہوئے اپنے جائز حقوق سے کہیں بڑھ کر سہولتیں اور مراعات حاصل کیں۔ بہر حال جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ نرم ترین اور انتہائی وسعتِ قلبی کا سلوک ہے جو اُمتِ مسلمہ ان کے ساتھ روا رکھنا چاہتی ہے۔ یعنی یہ کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر ان کے حقوق و فرائض متعین کر دیے جائیں اور ان کو ہمیشہ کے لیے جسدِ ملّتِ اسلامی سے علیحدہ کر دیا جائے۔''

❁❁❁

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر
''بیان القرآن'' کے ترجمہ و ترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں'
آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔ (ان شاء اللہ!)

قرآنِ کریم کی اُصولی باتیں (۱۱)

پروفیسر ڈاکٹر عمر بن عبداللہ المقبل

ترجمہ: ابوعبدالرحمٰن شبیر بن نور

۳۳واں اصول:

﴿وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾

''اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دے رکھا ہے' اس میں سے آخرت کے گھر کی تلاش کے لیے بھی رکھ' اور اپنے دنیوی حصے کو بھی نہ بھول۔''

یہ قرآنی اصول اور شرعی قانون ایک ایسے مسئلے کے بارے میں ہے جو اکثر پیش آتا رہتا ہے اور اس میں کمی بیشی بھی ہوتی رہتی ہے' کیونکہ اس قاعدے کے حوالے سے قرآن کی عطا کردہ تعلیمات سے ہدایت حاصل کرنے میں شعوری یا غیر شعوری کوتاہی ہو رہی ہے۔

یہ قرآنی اصول قارون کے واقعے کے حوالے سے بیان ہوا ہے' جسے اُس کے مال اور اُس کے نفسِ امّارہ (انسان کا وہ ضمیر جو اسے گناہ کا حکم دیتا رہتا ہے) نے دھوکے میں رکھا' جب اُس سے کہا گیا:

﴿وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ (القصص)

''اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دے رکھا ہے' اُس میں سے آخرت کے گھر کی تلاش کے لیے بھی رکھ' اور اپنے دنیوی حصے کو بھی نہ بھول' اور جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ اِحسان کیا ہے' تو بھی اچھا سلوک کر' اور زمین میں فساد کا خواہاں نہ ہو۔ یقین مان کہ اللہ تعالیٰ مفسدوں کو ناپسند رکھتا ہے۔''

تو اس کے جواب میں اُس نے یہ متکبرانہ جملہ کہا:

﴿اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰي عِلْمٍ عِنْدِيْ ۭ﴾ (القصص:۷۸)

''یہ سب کچھ تو مجھے اپنی سمجھ کی بنا پر ہی دیا گیا ہے۔'' (ہم ایسی رسوائی پر اللہ کی پناہ مانگتے ہیں!)

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ یہ اصول بہت بڑی کسوٹی ہے' اُس مال کے حوالے سے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کو عطا کر رکھا ہے۔ اِسی لیے مال کے بارے میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دو سوال کرے گا: (۱) کہاں سے کمایا؟ اور (۲) کہاں خرچ کیا؟

یہ حدیث سیدنا ابو برزہ الاسلمی رضی اللہ عنہ کی روایت سے سنن الترمذی اور دوسری کتابوں میں آئی ہے۔

اس دین کی سب سے بڑی خوبی اور حسن یہ ہے کہ اِفراط و تفریط کے بغیر' غلو اور کوتاہی سے ہٹ کر ہر کام میں اعتدال اور توازن کی دعوت دیتا ہے' خواہ معاملہ دین کا ہو یا دنیا کا۔ یہ بات اِس اُصول میں روزِ روشن کی طرح بیان ہو گئی ہے:

﴿وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾

''اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دے رکھا ہے' اُس میں سے آخرت کے گھر کی تلاش کے لیے بھی رکھ' اور اپنے دُنیوی حصے کو بھی نہ بھول۔''

اگر ہم اس آیت پر غور کریں تو کلام کی ترتیب ایسی ہے گویا موتی جواہر کے دانوں کی طرح پرو دیے گئے ہیں' جو کہ چار عظیم نصیحتوں پر مشتمل ہے۔ لوگوں کو ان نصیحتوں کی شدید ضرورت ہے' بالخصوص جن لوگوں کے پاس مال ہے۔ آیئے مل کر ان پر غور کرتے ہیں:

پہلی نصیحت:

﴿وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ﴾

''اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دے رکھا ہے' اُس میں سے آخرت کے گھر کی تلاش کے لیے بھی رکھ۔''

آخرت کا گھر ہی وہ مقام ہے جو ہمارا مستقبل ہے۔ ہر عاقل کی ذمہ داری ہے کہ یہاں کی نجات کی کوشش کرے' اور دنیا میں جو کچھ اس کے پاس ہے اُسے آخرت میں نجات کے لیے خرچ کرے' اور زندگی کی ساری کوشش و محنت کو آخرت کی کھیتی بنا دے۔

دُوسری نصیحت:

﴿وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾

''اور اپنے دنیوی حصے کو بھی نہ بھول جا۔''

یعنی ہم تمہیں اس بات پر ہرگز ملامت نہیں کریں گے کہ تم نے دنیا میں اپنا حصہ وصول کیا' بشرطیکہ آخرت کے حصے میں کمی نہ آئے۔ جنابِ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''ہر قسم کا حلال دنیا کے حصے میں شامل ہے۔''

بعض اہل علم نے ایک لطیف نکتہ بیان کیا ہے' جس کے ذریعے اس آیت کی تفسیر ہو جاتی ہے: ﴿وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾ ''اور اپنے دنیوی حصے کو بھی نہ بھول جا''۔ مقصد یہ ہے کہ اُس نے دنیا کو ایسی معمولی چیز سمجھ لیا ہے جو بالکل بے حیثیت ہے اور اُسے بھولا بھی جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس آیت کے ذریعے ہمیں یاد دلا رہا ہے اور ہمیں اس بات کی طرف توجہ دلا رہا ہے کہ ہم اِس میں سے اپنا حصہ وصول کر لیں۔ میں کسی سے یہ کہوں کہ فلاں چیز مت بھول جانا' جب کہ مجھے علم ہو کہ یہ چیز بھولی جا سکتی ہے۔ اسلام کی یہ درمیانی اور اعتدال کی راہ ہے۔

تیسری نصیحت:

﴿وَاَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾

''اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے' تو بھی اچھا سلوک کر۔''

یہ بات عقل و شریعت کے عین مطابق ہے۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ یوں فرمایا:

﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾ (الرحمن)

''احسان کا بدلہ احسان کے سوا کیا ہے!''

چوتھی نصیحت:

﴿وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ﴾

''اور زمین میں فساد کا خواہاں نہ ہو' یقین مان کہ اللہ تعالیٰ مفسدوں کو ناپسند رکھتا ہے۔''

اور یہ نہی اس لیے آئی ہے کہ کہیں احسان اور فساد کو خلط ملط نہ کر بیٹھو' جب کہ فساد' احسان کی ضد ہے۔ اس لیے کہ بعض لوگوں کے خیالات اس قدر بگڑ جاتے ہیں کہ وہ بُرائی کو بھی اچھائی سمجھ بیٹھتے ہیں' جیسا کہ قارون کے ساتھ ہوا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ ''اللہ تعالیٰ مفسدوں کو ناپسند رکھتا ہے''۔ اس میں فساد سے منع کرنے کی علت اور سبب بیان کیا گیا ہے' اس لیے کہ جس کام کو اللہ پسند نہیں کرتا وہ بندوں کے لیے جائز نہیں ہو سکتا۔

اس عظیم قرآنی اصول پر ہم نے طائرانہ نظر دوڑائی ہے' جس سے ہمارے سامنے یہ بات اچھی طرح واضح ہو کر آ گئی ہے' جیسا کہ قرآن نازل کرنے والا فرماتا ہے: ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ﴾ (الاسراء:۹) ''یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو بہت ہی سیدھا ہے''۔ امر واقعہ یہ ہے کہ لوگوں کو جس مسئلے سے بھی واسطہ پڑتا ہے اُس کا حل کتاب اللہ میں موجود ہوتا ہے۔ یہ بات امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔ لیکن غور کرنے والے کہاں ہیں؟ اور اس چشمے سے فائدہ حاصل کرنے والے کدھر ہیں؟ جب کہ یہ ایسا چشمہ ہے جو کبھی خشک نہیں ہوتا۔

۳۴واں اصول:

﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ﴾

''آپ سے یہود و نصاریٰ ہرگز راضی نہیں ہوں گے' جب تک کہ آپ اُن کے مذہب کے تابع نہ ہو جائیں۔''

یہ عقائد سے متعلق قرآنی اصول ہے جو چودہ صدیاں پہلے نازل ہوا۔ آج تک ہر زمانے میں اہل اسلام کے لیے اس کے معنیٰ تازہ ہوتے رہتے ہیں۔

یہ مستحکم قاعدہ سورۃ البقرۃ (آیت ۱۲۰) میں نازل ہوا۔ اس سورت میں اہلِ کتاب کے حالات تفصیل سے بیان ہوئے ہیں اور خاص طور پر یہودیوں کے حالات' اس لیے کہ وہ مدینہ منورہ میں رہتے تھے۔ متعدد مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب نبی اکرم ﷺ نے بار بار یہودیوں کو اپنے قریب کرنے کی کوشش کی تاکہ وہ آپ کی بات مان جائیں اور دین اسلام کو قبول کر لیں۔ بالآخر یہ فیصلہ کن خبر آ گئی جس نے آپ ﷺ کی ایسی تمام کوششوں کا دروازہ بند کر دیا۔

اس اصول کا اختصار کے ساتھ مفہوم یہ ہے:

اے محمد! (ﷺ) یہ یہود و نصاریٰ آپ سے کبھی راضی نہیں ہو سکتے' آپ ان کو راضی کرنے اور ان کو ساتھ ملانے کی کوشش کو چھوڑ دیں' اور اللہ تعالیٰ نے جو حق کی دعوت دے کر آپ کو اُن کی طرف بھیجا ہے اُسے اللہ کی رضا کے لیے دیتے رہیں۔ یقیناً جس چیز کی طرف آپ اُن کو بلا رہے ہیں' یہی ایک راستہ ہے جو باہمی الفت اور دین قیم کی طرف جاتا ہے' اور اُن کی ملت کی پیروی کر کے اُن کو راضی کرنے کی آپ کو اجازت نہیں' اس لیے کہ یہودیت عیسائیت کی ضد ہے اور عیسائیت یہودیت کی ضد ہے' اور کسی صورت میں ایک وقت میں ایک

ہی شخص میں یہودیت وعیسائیت کبھی اِکٹھے نہیں ہو سکتے' اور ان دونوں کو راضی کرنے کا آپ کے پاس کوئی راستہ نہیں۔ جب یہ راستہ ہی بند ہے تو آپ اللہ تعالیٰ کے راستے کو مضبوطی سے تھامے رکھیں اور اسی راستے پر تمام مخلوق کے الفت ومحبت کے ساتھ اکٹھے ہونے کا امکان ہے۔

اور یہ مضبوط اصول اُس ذات نے دیا ہے جو ہر چھپی ہوئی چیز اور راز سے واقف ہے اور جس کے سامنے مخلوق کی کوئی بات بھی چھپی ہوئی نہیں رہتی' نہ حالیہ وقت میں اور نہ ہی مستقبل میں۔ جس ذات نے یہ اصول دیا ہے اُسی نے یہ فرمایا ہے:

﴿اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ؕ وَ ہُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ ﴿۱۴﴾﴾ (المُلک)

''کیا وہی نہ جانے جس نے پیدا کیا ہے؟ پھر وہ باریک بیں اور باخبر بھی ہو۔''

سورۃ البقرۃ جن اصولوں پر مشتمل ہے ان کا خلاصہ لکھ کر الشیخ السیّد محمد رشید رضا نے بہت اچھا کام کیا ہے۔ ان اُصولوں میں سے ایک یہ اصول ہے جس پر ہم گفتگو کر رہے ہیں۔ آپ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا:

''یہ آیت نبی اکرم ﷺ کی راہنمائی کے لیے ہے جس نے آپ ﷺ کے زمانے کی دونوں ملتوں (یہود ونصاریٰ) کی حالت کو واضح کر دیا ہے' اور آپؐ کے بعد بھی آپ کی امت میں یہ حقیقت موجود رہی ہے۔ بعض اسلامی قبیلوں (قوموں رملکوں) کے سربراہوں نے دھوکہ کھایا اور کفر سے کمتر کاموں میں اتباع کر کے ان کو راضی کرنے کی کوشش کی' پھر بھی وہ راضی نہ ہوئے۔ اگر وہ اُن کے دین کی مکمل اتباع کرتے تو وہ لازماً شرط رکھ دیتے کہ وہ اُن کے عقیدے میں اور عمل میں بھی ان کی اتباع کریں' نتیجتاً دین کے معاملے میں اور اپنی جان کے معاملے میں ان کی ذرا بھی آزادی نہ رہ جاتی۔''

اگرچہ قرآنِ کریم کا یہ حکم بہت واضح ہے' پھر بھی کچھ مسلمان اس میں شک کرتے ہیں' جس سے شدید تکلیف ہوتی ہے۔ اس شک کی کئی صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ ان لوگوں کے کفر میں شک کیا جائے' اور اِس شک کی سب سے بڑی صورت یہ ہے کہ یہ مطالبہ ہو کہ اپنا تشخّص ختم کر کے اُن کے ساتھ یک جان ہو جائیں' اس طرح دین کے بڑے اصولوں میں سے ایک اصول کو بالکل ختم کر دیں۔ اور وہ ہے ''دوستی ودشمنی'' کا اصول۔

ان لوگوں نے دو باتوں میں فرق نہیں کیا۔ ایک ہوتا ہے مفید چیزوں کا کافروں سے لینا اور دنیا کے معاملات میں اُن سے فائدہ اُٹھانا' اور دوسرا ہوتا ہے مؤمن کا اپنے دین کے ذریعے معزز ہونا اور اپنے عقیدے کے ساتھ ممتاز ہونا۔ یہ بات اس پیرائے میں قطعاً نہیں ہے (کہ

جو شخص یہود ونصاریٰ کی ایجادات سے فائدہ اٹھائے وہ ان کے دین کو بھی اپنا لے)۔ جس عقل مند نے بھی تاریخ پڑھی ہو وہ ایسی بات نہیں کہہ سکتا اور جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول سے راہنمائی حاصل کی ہو اس کی طرف سے ایسی بات اور بھی بعید ہے۔

جو مؤمن اس قسم کی بڑی بڑی فضول باتیں سنتے ہیں' وہ آپس میں ایک دوسرے سے اُن لکھاریوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں جن کے نام تو مسلمانوں والے ہیں' کہ کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو نہیں پڑھا:

﴿وَدَّ کَثِیۡرٌ مِّنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ لَوۡ یَرُدُّوۡنَکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ اِیۡمَانِکُمۡ کُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِہِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُمُ الۡحَقُّ ۚ﴾ (البقرۃ:۱۰۹)

''ان اہل کتاب کے اکثر لوگ باوجود حق واضح ہو جانے کے محض حسد وبغض کی بنا پر تمہیں بھی ایمان سے ہٹا دینا چاہتے ہیں۔''

کیا اِن لوگوں نے تمام کافروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے اِس فرمان پر غور نہیں کیا:

﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِیۡعُوا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یَرُدُّوۡکُمۡ عَلٰۤی اَعۡقَابِکُمۡ فَتَنۡقَلِبُوۡا خٰسِرِیۡنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰہُ مَوۡلٰىکُمۡ ۚ وَ ہُوَ خَیۡرُ النّٰصِرِیۡنَ ﴿۱۵۰﴾﴾ (آل عمران)

''اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی باتیں مانو گے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل پلٹا دیں گے (تمہیں مرتد بنا دیں گے) پھر تم نامراد ہو جاؤ گے۔ بلکہ اللہ ہی تمہارا مولا ہے اور وہی بہترین مددگار ہے۔''

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے دشمنوں کے متعلق اور جو کچھ وہ ہم سے چاہتے ہیں اس کی گواہی ہے اور جو ان کی کوششیں ہیں کہ ہمیں ہمارے دین سے دور کر دیں۔ کیا اتنی بڑی گواہی کے بعد بھی کسی اور گواہی کی ضرورت ہے؟ اور کیا تمہارے رب کے لیے یہ مقام کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کو اچھی طرح جانتا ہے؟

جب ہم تاریخ کے صفحات پلٹ کر دیکھتے ہیں تو جو جواب ہمارے سامنے آتا اس سے اس محکم اصول پر مؤمن کا یقین مزید مضبوط ہو جاتا ہے۔

کس نے بکری کے گوشت میں زہر ملایا جس کا اثر آپ ﷺ آخری سانس تک محسوس کرتے رہے؟..... سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو کس نے قتل کیا؟..... کس نے مسلمانوں کے اُن متعدد خلفاء کو زہر دیا جن کی محنت اور جستجو کی وجہ سے یہود ونصاریٰ کی طاقت کمزور ہوئی تھی؟

اوپر جن واقعات کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے‘ اِن کے بارے میں کچھ لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے‘ اس لیے کہ ان کا یہود و نصاریٰ کے محض چند افراد سے واسطہ پڑا ہے‘ جنہوں نے اُن سے اچھا برتاؤ کیا ہے‘ جیسا کہ وہ بیان کرتے ہیں اور ایسا کبھی کبھی ہو بھی جاتا ہے۔ لیکن یہ قطعاً نہیں ہو سکتا کہ ہمارے رب کی دی ہوئی مستحکم خبر کو جھوٹا ثابت کیا جا سکے۔ اس لیے کہ ذاتی تعلقات میں ذاتی اغراض شامل ہوا کرتی ہیں‘ یا کوئی استثنائی شکل ہو سکتی ہے‘ لیکن جب کوئی مشکل مرحلہ آتا ہے تو ان کے اصلی اخلاق سامنے آ جاتے ہیں۔ جو آدمی کچھ بھی دیکھ یا سوچ سکتا ہو کہ صلیبی جنگجوؤں نے کیا کچھ نہیں کیا‘ جب انہوں نے صلاح الدین ایوبی سے پہلے اور بعد میں ملکِ شام (اور دیگر بلادِ اسلام) پر چڑھائی کی! اور بہت بڑی گواہی ہے جو ان کے بھائی بند فلسطین‘ افغانستان‘ بوسنیا‘ ہرسک اور عراق میں کر رہے ہیں۔

۳۵واں اصول:

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ﴾

’’اور جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو میں بہت ہی قریب ہوں۔‘‘

یہ ایمان سے متعلق قرآنی اصول ہے‘ اِس کا سب سے بڑی عبادت سے گہرا تعلق ہے‘ اور وہ ہے دعا کی عبادت۔ روزوں سے متعلقہ آیات کے بعد یہ قاعدہ بیان ہوا ہے۔ آیئے اس قرآنی اصول سے ہم بھی کچھ ہدایات معلوم کر لیں:

۱) قرآنِ کریم میں چودہ سوال آئے ہیں‘ سب کے سب ’’یسألونك‘‘ (وہ آپ سے سوال کرتے ہیں) سے شروع ہوتے ہیں‘ اور اُن کا جواب لفظ ’’قُلْ‘‘ سے شروع ہوتا ہے‘ صرف ایک آیت میں ’’فَقُلْ‘‘ آیا ہے جو کہ سورۂ ’’طٰہٰ‘‘ میں ہے۔ البتہ یہ صرف ایک مقام ہے جو جملہ شرطیہ سے شروع ہو رہا ہے: ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ﴾ ’’جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں‘‘ اور جوابِ شرط کا فعل ’’قُلْ‘‘ کے بغیر ہی آیا ہے‘ بلکہ فرمایا: ﴿فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ (البقرۃ:۱۸۶) ’’تو میں بہت ہی قریب ہوں‘ ہر پکارنے والے کی پکار کو جب بھی وہ مجھے پکارے‘ قبول کرتا ہوں‘‘۔ لفظ ’’قُلْ‘‘ کا فاصلہ اگرچہ تھوڑا سا ہے‘ پھر بھی وہ

دعا کرنے والے اور اُس کے رب کے درمیان ایک فاصلہ بن جاتا ہے‘ لہٰذا اس واسطے کے بغیر ہی جواب آیا: ﴿فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ﴾۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ دعا کرتے وقت بندہ اپنے رب کے انتہائی قریب ہوتا ہے۔ اگر سبب نزول کے بارے میں دریافت کیا جائے‘ تو اس کا صحیح جواب یہی ہوگا‘ جب نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا: اَقَرِیْبٌ رَبُّنَا فَنُنَاجِیْهِ‘ اَمْ بَعِیْدٌ فَنُنَادِیْهِ؟ ’’کیا ہمارا رب قریب ہے کہ ہم اس سے راز داری سے بات کریں یا وہ بعید ہے کہ زور زور سے پکاریں؟‘‘

۲) اس لفظ پر غور کرو: ’’عِبَادِیْ‘‘ اس لفظ میں بندوں کے لیے کس قدر نرمی اور اُلفت پائی جاتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بندوں کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے۔ (سبحان تیری رحمت!) کہاں ہیں اللہ تعالیٰ کو پکارنے والے؟ اور کہاں ہیں اس کی رحمت و کرم کا دروازہ کھٹکھٹانے والے؟

۳) ’’یقیناً میں قریب ہوں‘‘: اس میں اللہ تعالیٰ کا بندوں کے قریب ہونے کا ثبوت ہے‘ اور یہ خاص قسم کا قرب ہے‘ اُس شخص کے لیے جو اُس کی عبادت کرتا ہے اور اُس سے دعا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کی قسم! قربِ الٰہی کا یہ تصور ہی بندے کو اپنے رب اور مولیٰ سے مانگنے کی تڑپ اور رغبت پیدا کر دیتا ہے۔

۴) اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿اُجِیْبُ﴾ ’’میں قبول کرتا ہوں‘‘۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ہر چیز کو سننے کی دلیل ہے‘ اور یہ صفت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور ذات میں نہیں ہو سکتی۔ (اللہ تعالیٰ کا مقام سب سے بلند ہے‘ پھر بھی بات سمجھنے کی خاطر اس مثال پر غور کریں) دنیا کا بڑے سے بڑا بادشاہ‘ چاہے اس کے پاس کتنے ہی وسائل ہوں‘ وہ ہر مطالبے کو پورا نہیں کر سکتا‘ اِس لیے کہ وہ خود بھی ایک عاجز بندہ ہے‘ وہ اپنی جان کو بھی بیماری اور موت سے نہیں بچا سکتا‘ وہ دوسروں کا کیا بھلا کرے گا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بابرکت ہے‘ وہ طاقت ور اور غالب ہے‘ اور رحمان و رحیم ہے۔

۴) اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿اِذَا دَعَانِ﴾ ’’جب بھی وہ مجھے پکارے‘‘۔ اس میں اشارہ ہے کہ دعا قبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ دعا کرتے وقت دعا کرنے والے کا دل بھی حاضر ہو اور اپنے رب سے دعا کرنے میں سچا ہو‘ اِس اعتبار سے کہ اپنے آپ کو رب کا محتاج سمجھے اور اُسے یہ بھی یقین ہو کہ اللہ کی کرم نوازی اور رحمت سے ہی اس کی یہ دعا قبول ہوگی۔

۵) عبادت سے متعلقہ اصولوں میں سے سب سے عظیم اصول کا سربند نکتہ یہ ہے:

﴿وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾

''جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو میں بہت ہی قریب ہوں' ہر پکارنے والے کی پکار کو جب بھی وہ مجھے پکارے' قبول کرتا ہوں۔''

تمہیں اس میں اس دین کی عظمت کا راز نظر آئے گا' اور وہ ہے اللہ کی توحید۔ اے مؤمن بھائی! اللہ ہی سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے' جو قہار اور جبار ہے' اس کی بادشاہی جیسی کسی کی بادشاہی نہیں' اور اس کی حکومت جیسی کسی کی حکومت نہیں۔ جب تو اس سے دعا کرنا چاہے تو کوئی وقت مقرر کرنے کی ضرورت نہیں' نہ کسی اجازت کی ضرورت ہے اور نہ کسی اور کارروائی کی ضرورت ہے' بس سچے دل کے ساتھ ہاتھ اُٹھاؤ اور دل سے اپنی بات کہہ دو۔ عظیم تابعی بکر بن عبداللہ المزنی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''اے ابن آدم! تمہارے لیے بڑی سہولت کی بات ہے' جب بھی اپنے رب سے کچھ مانگنا چاہو بس اپنی نماز والی جگہ پر جاؤ اور دعا کرو' نہ تو تمہارے اور تمہارے ربّ کے درمیان کوئی پردہ ہے اور نہ ہی ترجمان کی ضرورت ہے۔''

دعا کی نعمت بھی کتنی بڑی نعمت ہے' اس کے مقام کو صرف وہی جان سکتا جس کو دعا کی توفیق ملتی ہو۔ بے خبر مسلمانوں کی بڑی اکثریت تو اولیاء وصالحین کے وسیلے میں پھنسی ہوئی ہے۔ اُن کا گمان ہے کہ فلاں ولی اور نیک آدمی کے وسیلے کے بغیر دعا قبول ہی نہیں ہوتی۔ جب زیرِغور اصول کا مقام تمہارے سامنے واضح ہو گیا تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کسی بندے کی اصل محرومی یہ ہے کہ وہ اُس دروازے کو کھٹکھٹانے سے محروم رہے اور اُس کا نفس اُسے یہ عظیم راستہ بھلائے رکھے۔ امام ابوحازم رحمہ اللہ نے فرمایا: ''مجھے اس بات کا کوئی خوف نہیں کہ میری دعا قبول نہیں ہوگی' مجھے خوف صرف اس بات کا ہے کہ مجھے دعا کی توفیق نہ ملے۔''

اس آیت کے سیاق کی روشنی میں اس اُصول سے یہ راہنمائی بھی ملتی ہے کہ رمضان میں افطار کے وقت دعا کرنا مستحب ہے۔ قرآنِ کریم کا ظاہر' سلف صالحین کا عمل اس کی دلیل ہے' نیز اس بارے میں کچھ احادیث بھی آئی ہیں جنہیں بعض علماء نے قوی قرار دیا ہے۔ یہاں تم یہ بھی دیکھو کہ قرآن کریم کا ظاہر حکم اس بات کو تقویت دے رہا ہے۔ مذکورہ بالا آیات میں اس معنیٰ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روزوں کی آیات کے فوراً بعد اور رمضان کی راتوں

میں جماع کی اجازت سے فوراً پہلے دعا کی آیت کو ذکر فرمایا ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''روزوں کے احکام کے درمیان میں اللہ تعالیٰ نے دعا پر ابھارنے والی آیت کو اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ روزوں کے مکمل ہونے بلکہ ہر روزے کے اختتام (افطاری کے وقت) پر بھرپور طریقے سے دعا کی جائے۔''

وہ بندہ کیا کمال کا ہے جو اپنی بندگی' اپنی مجبوری کو دعا کی شکل میں اپنے رب کے سامنے رکھ دے' اپنے خالق و مالک اور جس کے ہاتھ میں اس کی پیشانی (قسمت کا فیصلہ) ہے' اس کے سامنے اپنی عاجزی بیان کرے۔

اور کس قدر خوش قسمت ہے وہ بندہ جو قبولیتِ دعا کے اوقات میں اپنے رب کے سامنے گڑگڑائے اور دنیا و آخرت کے خیر و فضل کی درخواست کرے۔ (جاری ہے)

❁❁❁

داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی فکر انگیز تالیفات

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اسلامی انقلاب کے مراحل و مدارج اور لوازم

منہجِ انقلابِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

مجلد 400 روپے، غیر مجلد 200 روپے

سیرت مطہرہ کے دل پذیر موضوع پر ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے آخری خطابات کا مجموعہ

سیرتِ خیرُ الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام

صفحات 240، قیمت 180 روپے

واقعہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

حافظ انجینئر عمیر انور ☆

سید المرسلین حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ عالیہ کی اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بہت جامعیت کے ساتھ وضاحت یوں فرمائی ہے کہ: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ (۱) چنانچہ ان اخلاقِ عالیہ کی بے شمار جہات ہیں جنہیں علمائے امت اور اہلِ علم رحمہم اللہ آج تک بیان فرماتے آرہے ہیں۔ سیرتِ طیبہ کا ہر موقع، ہر واقعہ، ہر قصہ اور ہر پہلو عملی رہنمائی کے بے شمار گوشے وا کرتا ہے۔ انہی واقعات میں ایک واقعہ (۲) جو جلیل القدر صحابی سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور ایک اعرابی صحابی جناب سُلیم رضی اللہ عنہ کے مابین پیش آیا، اپنے اندر ہدایت و رہنمائی کے بہت سے اسباق لیے ہوئے ہے۔

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جو حضرت رسول اللہ ﷺ کے قریب ترین اور محبوب ترین اصحاب میں سے ایک تھے، ان کا معمول یہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ کی اقتدا میں نمازِ عشاء ادا فرما کر اپنے قبیلے بنوسلمہ میں لوٹتے اور انہیں نمازِ عشاء پڑھایا کرتے تھے۔ (۳) ایک رات نبی اکرم ﷺ نے عشاء کی نماز کی ادائیگی میں کچھ تاخیر فرمائی، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے آپ کی اقتدا میں نماز ادا کی اور بنوسلمہ کے ہاں تشریف لاکر ان کی امامت فرمائی اور اس میں سورۃ البقرۃ کی تلاوت شروع کردی۔ آپ کے مقتدیوں میں سے ایک نوجوان علیحدہ ہوگیا، اُس نے مسجد کے ایک طرف تنہا نماز پڑھی، اپنی اونٹنی کی نکیل پکڑی اور چلا گیا۔ (۴) جب سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نماز سے فارغ ہو چکے تو لوگوں نے انہیں اس حرکت کی خبر دی۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ منافق ہوگیا ہے، جو کچھ اس نے کیا ہے میں کل صبح حضرت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کروں گا۔ (۵) لوگوں نے جناب سُلیم رضی اللہ عنہ کو سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کی اس بات سے باخبر کیا تو انہوں نے جواباً کہا کہ نہیں، میں منافق نہیں ہوں بلکہ میں خود حضرت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اس واقعہ کی خبر دوں گا۔ (۶)

☆ استاذ، قرآن اکیڈمی ڈیفنس، کراچی

اگلے روز سیدنا معاذ اور جناب سُلیم رضی اللہ عنہما دونوں حضرت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا اپنا مؤقف بیان فرمایا۔ جنابِ سُلیم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! کل رات آپ نے عشاء کی نماز کچھ تاخیر سے پڑھائی۔ حسبِ معمول سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے آپ کی اقتدا میں نماز ادا کی اور ہمارے پاس تشریف لاکر نماز پڑھانی شروع کی، جس میں انہوں نے سورۃ البقرۃ کی تلاوت شروع کردی۔ جب میں نے یہ دیکھا تو طولِ قراءت کی وجہ سے باجماعت نماز سے علیحدگی اختیار کی، اکیلے نماز ادا کی اور چلا گیا۔ یارسول اللہ ﷺ! ہم محنت مزدوری کرنے والے لوگ ہیں اور اپنے ہاتھوں سے کام کاج کرتے ہیں۔ دن بھر اونٹوں کے ذریعے کنوؤں سے پانی لانے کی مزدوری کرتے ہیں۔ (۷) سارا دن سخت مشقت میں گزرتا ہے۔ نتیجتاً شام ہوتے ہوتے تھکن سے چور ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد طویل قیام کی مشقت برداشت کرنے کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتے۔

حضرت رسول اللہ ﷺ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ناراضگی کا اظہار فرماتے ہوئے تین مرتبہ ارشاد فرمایا: ''اے معاذ! کیا تم لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کررہے ہو؟ پس تم سورۃ الاعلیٰ، سورۃ الشمس، سورۃ الضحیٰ اور سورۃ اللیل کیوں نہیں پڑھتے؟ بیشک تمہاری اقتدا میں بوڑھے، کمزور اور حاجت مند لوگ بھی ہوا کرتے ہیں۔'' (۸)

پھر حضرت رسول اللہ ﷺ نے دلجوئی فرماتے ہوئے نہایت محبت و شفقت بھرے انداز میں ان اعرابی نوجوان سے پوچھا: اے بھتیجے! تم نماز میں کیا پڑھتے ہو؟ انہوں نے جواباً عرض کیا کہ میں سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کرتا ہوں، اللہ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور جہنم کی آگ سے اس کی پناہ پکڑتا ہوں، اور میں نہیں جانتا کہ آپ ﷺ اور معاذ نماز میں آہستگی کے ساتھ کیا پڑھتے ہیں۔ اس پر حضرت رسول اللہ ﷺ نے جواباً فرمایا کہ میں اور معاذ بھی دورانِ نماز انہی دو امور کی دعا کرتے ہیں۔ (۹)

چونکہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ان اعرابی کے حوالے سے بڑی سخت بات کہی تھی اور ان کو نفاق سے متہم کیا تھا تو جواباً انہوں نے حضرت رسول اللہ ﷺ سے مزید عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! جب مشرکین کی جنگ کے لیے آمد ہوگی تو عنقریب معاذ جان لیں گے کہ منافق کون ہے؟ انہی دنوں غزوۂ اُحد درپیش ہوا۔ مشرکین کی آمد کی خبر سن کر لوگ جنگ کے لیے ساز و سامان تیار کرنے لگے اور پھر اس معرکے کے لیے روانہ ہوگئے۔ جناب سُلیم رضی اللہ عنہ بھی

انہی میں نکلے اور شہادت کے مرتبے سے سرفراز ہوئے۔ وہ ان عظیم شہداءِ اُحد میں شامل تھے کہ جن کی نسبت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہوا:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝۱۶۹ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۱۷۰ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۷۱﴾ (آلِ عمران)

''اور (اے پیغمبر!) جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوئے ہیں' انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا' بلکہ وہ زندہ ہیں' انہیں اپنے رب کے پاس رزق ملتا ہے۔ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے جو کچھ دیا ہے وہ اس پر شاداں وفرحاں ہیں' اور ان کے پیچھے جو لوگ ابھی ان کے ساتھ (شہادت میں) شامل نہیں ہوئے' ان کے بارے میں بشارت حاصل کر رہے ہیں کہ (جب وہ ان سے آکر ملیں گے تو) نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ اللہ کی نعمت اور فضل پر بھی خوشی مناتے ہیں اور اس بات پر بھی کہ اللہ مؤمنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''

اس کے بعد حضرت رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میرے اور تمہارے فریق نے کیا کیا؟ آپ کا اشارہ ان اعرابی کی طرف تھا۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اللہ نے سچ فرمایا اور میں نے جھوٹ کہا تھا۔ وہ اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے۔ (۱۰)

محترم قارئین! غور فرمایئے' اس واقعہ میں نبی اکرم ﷺ نے نہ صرف اپنے دو اصحاب بلکہ اپنی پوری اُمت کی کئی امور کے حوالے سے تربیت فرمائی ہے۔ یقیناً اس واقعے کے ہر ہر جزو میں کئی اسباقِ علم وعمل موجود ہیں۔ ذیل میں بعض ذکر کیے جاتے ہیں:

(۱) دین میں آسانی کا ہونا:

سب سے پہلی بات جو اس واقعے سے واضح ہے وہ شریعت کے عمومی مزاج اور نقطہ نظر سے متعلق ہے' یعنی لوگوں کے ساتھ آسانی وتخفیف کا معاملہ کرنا اور ان سے حرج وتنگی کو دور کرنا۔ یہ شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا وہ مزاج اور نقطہ نظر ہے جو اس کے تمام تر اجزاء میں جاری و ساری ہے۔ شریعت مطہرہ کی اسی امتیازی شان کا (۱۱) اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یوں بیان فرمایا:

﴿هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ﴾ (الحج:۷۸)

''اُس نے تمہیں (اپنے دین کے لیے) منتخب کر لیا ہے' اور تم پر دین کے معاملے میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔''

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ آیۂ مبارکہ کے اس حصہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''واقع میں دین میں دشواری ہی نہیں۔ یہاں اسی جواب کو فرماتے ہیں کہ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (نہیں کی تم پر دین میں کچھ تنگی) اور کیسی بے فکری سے کہتے ہیں۔ آخر خدا ہے نا۔ اگر کوئی بندہ ہوتا تو ایسے موقع پر کہ ایک عالم دشواری کا مدعی ہو' خدا جانے کتنی تمہیدوں کے بعد جواب دیتا۔ یہاں ایک دم سے نہایت پر زور لہجہ میں حرج کی نفی فرما دی۔'' (بیان القرآن)

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس آیۂ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''سب سے اعلیٰ وافضل پیغمبر دیا اور تمام شرائع سے اکمل شریعت عنایت کی' تمام دنیا میں خدا کا پیغام پہنچانے کے لیے تم کو چھانٹ لیا اور سب امتوں پر فضیلت بخشی۔ دین میں کوئی ایسی مشکل نہیں رکھی جس کا اٹھانا کٹھن ہو۔ احکام میں ہر طرح کی رخصتوں اور سہولتوں کا لحاظ رکھا ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

جبکہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس آیۂ مبارکہ کے ذیل میں فرماتے ہیں: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تنگی سے مراد وہ سخت وشدید احکام ہیں جو بنی اسرائیل پر عائد کیے گئے تھے۔ (۱۲) جن کو قرآن میں اصر اور اغلال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (۱۳) اس امت پر ایسا کوئی حکم فرض نہیں کیا گیا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ تنگی سے مراد وہ تنگی ہے جس کو انسان برداشت نہ کر سکے۔ (۱۴) اس دین کے احکام میں کوئی حکم ایسا نہیں جو فی نفسہٖ ناقابلِ برداشت ہو۔ باقی رہی تھوڑی بہت محنت ومشقت تو وہ دنیا کے ہر کام میں ہوتی ہے۔'' (معارف القرآن)

اسی طرح اور بھی کئی مقامات پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس نعمت کا بیان فرمایا ہے۔ (۱۵) بالخصوص سورۃ الاعراف میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝۱۹۹﴾ (الاعراف)

''(اے پیغمبر ﷺ!) درگزر کا رویہ اپناؤ اور (لوگوں کو) نیکی کا حکم دو' اور جاہلوں کی طرف دھیان نہ دو۔''

''خُذِ الْعَفْوَ'' کی تفسیر فرماتے ہوئے مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت تھانوی

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خلاصہ تفسیر نقل فرماتے ہیں: ''لوگوں سے یہ برتاؤ رکھئے کہ (ان کے اعمال و اخلاق میں سے) سرسری (نظر میں جو) برتاؤ (معقول ومناسب معلوم ہوں ان) کو قبول کرلیا کیجئے (ان کی تہ اور حقیقت کی تلاش نہ کیجئے بلکہ ظاہری نظر میں سرسری طور پر جو کام کسی سے اچھا ہو اس کو بھلائی پر محمول کیجئے' باطن کا حال اللہ کے سپرد کیجئے کیونکہ پورا اخلاص و نیز شرائط قبول کی جامعیت اخص الخواص کا حصہ ہے۔ حاصل یہ کہ معاشرت میں سہولت رکھیے' تشدد نہ کیجئے' یہ برتاؤ تو اچھے کاموں میں ہے) اور (جو کام ظاہر نظر میں بھی برا ہو اس میں یہ برتاؤ رکھیے کہ اس باب میں) نیک کام کی تعلیم کردیا کیجئے اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہوجایا کیجئے (اور ان کے بہت درپے نہ ہوجایئے)۔''

جبکہ اس کے بعد معارف و مسائل میں اس کی مزید تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آیاتِ مذکورہ قرآنی اخلاقِ فاضلہ کا ایک جامع ہدایت نامہ ہے جس کے ذریعہ رسول کریم ﷺ کی تربیت کرکے آپ کو تمام اولین وآخرین میں صاحبِ خلقِ عظیم کا خطاب دیا گیا ہے۔ پچھلی آیتوں میں دشمنانِ اسلام کی کج روی' ہٹ دھرمی اور بداخلاقیوں کا ذکر کرنے کے بعد ان آیات میں اس کے بالمقابل رسول اللہ ﷺ کو اخلاقِ فاضلہ کی ہدایت دی گئی ہے جس کے تین جملے ہیں: پہلا جملہ خُذِ الْعَفْوَ ہے۔ عربی لغت کے اعتبار سے لفظ عفو کے کئی معنی ہوسکتے ہیں اور اس موقع پر ہر معنی کی گنجائش ہے' اسی لیے علماء تفسیر کی مختلف جماعتوں نے مختلف معنی لیے ہیں۔ جمہور مفسرین نے جس کو اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ عفو کہا جاتا ہے ہر ایسے کام کو جو آسانی کے ساتھ بغیر کسی کلفت اور مشقت کے ہوسکے۔ تو معنی اس جملہ کے یہ ہوئے کہ آپ قبول کرلیا کریں اس چیز کو جو لوگ آسانی سے کرسکیں' یعنی واجباتِ شرعیہ میں آپ لوگوں سے اعلیٰ معیار کا مطالبہ نہ کریں' بلکہ وہ جس پیمانے پر آسانی سے عمل پیرا ہوسکیں آپ اتنے ہی درجہ کو قبول کرلیا کریں۔ مثلاً نماز کی اصل حقیقت تو یہ ہے کہ بندہ ساری دنیا سے منقطع اور یکسو ہوکر اپنے رب کے سامنے ہاتھ باندھے ہوئے اس لیے کھڑا ہے کہ حمد وثناء کے ساتھ اپنے معروضات کو بلاواسطہ بارگاہ الٰہی میں خود پیش کررہا ہے' گویا وہ اس وقت براہ راست حق تعالیٰ شانہ سے مخاطب ہے۔ اس کے جو آثار خشوع' خضوع' ادب واحترام کے ہونا چاہئیں' ظاہر ہے کہ لاکھوں نمازیوں میں سے کسی اللہ کے بندے کو نصیب ہوتے ہیں' عام لوگ اس درجہ کو نہیں پاسکتے۔ تو اس آیت نے آنحضرت ﷺ کو یہ تعلیم دی کہ آپ ان لوگوں سے اس اعلیٰ معیار کا

مطالبہ ہی نہ رکھیں' بلکہ جس درجہ کو وہ آسانی سے حاصل کرسکتے ہیں وہ ہی قبول فرمالیں۔ اسی طرح دوسری عبادات زکوٰۃ' روزہ' حج اور عام معاملات ومعاشرت کے واجباتِ شرعیہ میں جو لوگ پورا پورا حق ادا نہیں کرسکتے ان سے سرسری اطاعت وفرمانبرداری ہی کو قبول کرلیا جائے۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح بخاری کی روایت میں خود رسول اللہ ﷺ سے آیت کے یہی معنی نقل کیے گئے ہیں۔ (۱۶)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کے نازل ہونے پر فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے اعمال واخلاق میں ظاہری اطاعت قبول کرنے کا حکم دیا ہے' میں نے عزم کرلیا ہے کہ جب تک میں ان لوگوں کے ساتھ ہوں ایسا ہی عمل کروں گا۔ (ابنِ کثیر)

ائمہ تفسیر کی ایک بڑی جماعت حضرت عبداللہ بن عمرؓ' عبداللہ بن زبیرؓ' صدیقہ عائشہؓ اور مجاہدؒ وغیرہ نے اس جملہ کے بھی یہی معنی قرار دیے ہیں۔'' (۱۷)

الیُسر فی الدِّین کی اس تمہیدی وضاحت کی روشنی میں غور فرمایئے کہ مذکورہ واقعے میں حضرت رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ پر ناراضگی کا اظہار اس لیے فرمایا کہ انہوں نے لوگوں کے حالات کی رعایت نہ فرماتے ہوئے نماز کو طویل کردیا۔ اور آپ ﷺ نے زجراً ان سے فرمایا کہ اے معاذ کیا تم لوگوں کو فتنے میں مبتلا کررہے ہو؟ یعنی حضرت سُلیم رضی اللہ عنہ سے جو باجماعت نماز سے علیحدگی کا معاملہ سرزد ہوا' اس کا سبب سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کی طویل قراءت بنی تھی۔ لہٰذا آپ ﷺ نے انہیں تنبیہ فرمائی کہ لوگوں کو دین کے بارے میں ایسی غیر ضروری آزمائش میں مبتلا نہ کرو کہ جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے لازم نہیں فرمایا ہے' مبادا وہ فتنے میں مبتلا ہوجائیں۔

نماز کے حوالے سے اسی بات کی تعلیم کئی احادیثِ مبارکہ میں آئی ہے' مثلاً ایک مرتبہ کسی صاحب نے نبی اکرم ﷺ سے شکایت کی کہ امام کے نماز کو طویل کرنے کی وجہ سے میں فجر میں باجماعت نماز چھوڑ دیتا ہوں۔ راوی فرماتے ہیں کہ اس پر حضرت رسول اللہ ﷺ اس قدر شدید غضب ناک ہوئے کہ کبھی آپ ﷺ کو اس قدر غضب ناک نہ دیکھا گیا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! یقیناً تم میں بعض متنفر کرنے والے ہیں۔ تو جو کوئی لوگوں کی امامت کرے تو اسے چاہیے کہ تخفیف واختصار سے کام لے۔ یعنی نماز کو ہلکا کرے' کیونکہ اس کی اقتداء میں بیمار' بوڑھے اور حاجت مند افراد بھی موجود ہوا کرتے ہیں۔ (۱۸) اسی طرح نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نماز میں داخل ہوتا ہوں اور ارادہ کرتا ہوں کہ نماز کو

طویل کروں گا لیکن پھر میں بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اس کی والدہ کو پہنچنے والی تکلیف کا خیال کرتے ہوئے اسے مختصر کر دیتا ہوں۔ (۱۹)

ان ارشاداتِ نبویہ ﷺ سے ہمیں یہ رہنمائی حاصل ہوتی ہے کہ امام الصلوٰۃ کے لیے ضروری ہے کہ وہ مقتدیوں کی اکثریت کا لحاظ کرتے ہوئے اور مسلمانوں کی کیفیت کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھائے۔ اس لیے کہ وہ صرف اپنی نماز نہیں پڑھ رہا بلکہ ان افراد کی بھی امامت کروا رہا ہے جو اس کے پیچھے ہیں۔ یہی سہولت وتخفیف اور رعایت نماز کی طرح شریعت کے دیگر تمام امور میں بھی پیش نظر رکھی جانی چاہیے۔ چنانچہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے دین میں بہترین امور سب سے آسان امور کو قرار دیا۔ (۲۰) اسی طرح آپ ﷺ نے نرمی، رفق اور ملاطفت کی اہمیت یوں بیان فرمائی کہ جس شخص کو نرمی سے حصہ دیا گیا اسے بھلائی سے حصہ دیا گیا اور جسے نرمی کے حصہ سے محروم رکھا گیا اسے بھلائی سے محروم کر دیا گیا۔ (۲۱) نیز دیگر احادیثِ مبارکہ میں بھی اس وصف کی اہمیت بیان فرمائی۔ (۲۲) ہمیں بالعموم شریعت کے مزاج کو اپنا مزاج بنانے کی کوشش کرنی چاہیے اور اسی کے مطابق دوسروں سے برتاؤ رکھنا چاہیے۔ بالخصوص وہ افراد جو کسی بھی سطح پر اور کسی بھی انداز میں (خواہ خاندان کی سطح پر یا کسی دینی ادارے اور اجتماعیت کی سطح یا پھر ریاست کی سطح پر) افرادِ امت میں سے تمام/بعض کے معاملات کے ذمہ دار ہونے کی حیثیت سے کسی نہ کسی درجہ میں صاحبانِ امر بنائے گئے ہیں، انہیں اس ہدایت پر ضرور عمل پیرا ہونا چاہیے۔

البتہ یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ تخفیف کا یہ مطلب بھی نہیں کہ بندہ حد اعتدال سے تجاوز کر کے تفریط کا شکار ہو جائے۔ تخفیف وتیسیر بقدرِ مطلوبِ شریعت ہونی چاہیے، یعنی افراط وتفریط کے مابین مقامِ وسط واعتدال پر۔ یہ وضاحت اس لیے ضروری ہے کہ یہ تفریط بھی اسی طرح خلافِ منہج ومنشاء شریعت ہے جس طرح افراط۔ چنانچہ نماز ہی کی مثال سے اگر بات سمجھنے کی کوشش کی جائے تو بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ تخفیف وتیسیر کا مطلب ہے کہ نماز کوے کی طرح جلدی جلدی چونچیں مار کر بغیر اطمینان وسکون اور تعدیل ارکان کے ادا کر لی جائے۔ اس میں نہ خشوع کی کیفیت ہو نہ حضورِ قلب کی اور نہ ہی اس کے ارکان وآداب کا لحاظ رکھا جائے۔ دورانِ نماز یا خطبہ جمعہ وغیرہ میں ایسی غیر ضروری جلدی دکھانا گویا کوئی مسابقت یا مقابلہ درپیش ہے، تعلیم دین کے خلاف ہے اور تیسیر وتخفیف

کا یہ فہم سراسر غلط ہے۔ عجلت کی صورت میں سامنے آنی والی تفریط اور کمزوروں، بوڑھوں اور حاجت مندوں کو مشقت میں مبتلا کر دینے والا طول جو کہ افراط ہے، دونوں یکساں طور پر غیر مطلوب ہیں۔ یقیناً ان دونوں سے احتراز لازم ہے۔ حاصل یہ ہے کہ تمام احکاماتِ شریعت پر حدِ اعتدال میں رہتے ہوئے اور افراط وتفریط دونوں سے گریز کرتے ہوئے عمل پیرا ہونا چاہیے۔ بالخصوص جب کوئی اجتماعی نوعیت کا معاملہ ہو اس موقع پر تو اس کی اہمیت دو چند ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت رسول اللہ ﷺ کا مزاج مبارک بھی یہی تھا کہ آپ کو جب دو چیزوں میں اختیار دیا جاتا تو آپ آسان کا انتخاب فرماتے بشرطیکہ اس میں گناہ کا کوئی پہلو نہ ہو۔ (۲۳) اسی طرح آپ ﷺ نے امت کو بھی اسی بات کی تلقین فرمائی: ''دین بہت آسان ہے اور جو شخص دین میں سختی کرے گا وہ دین اس پر غالب آ جائے گا، پس تم لوگ میانہ روی اختیار کرو اور (اعتدال سے) قریب رہو اور خوش ہو جاؤ (کہ تمہیں ایسا دین ملا) اور صبح اور دوپہر کے بعد اور کچھ رات میں عبادت کرنے سے دینی قوت حاصل کرو۔'' (۲۴) نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ آسانیاں فراہم کرو، سختی نہ کرو، اور بشارت دو نہ کہ متنفر کرو۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ آسانی پیدا کرو، تنگی نہ پیدا کرو، لوگوں کو تسلی اور تشفی دو، نفرت نہ دلاؤ۔ (۲۵) یہی رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے اور یہی تخفیف، آسانی اور سہولت کی حامل شریعتِ اسلامیہ کا مزاج بھی ہے۔

(۲) جھگڑوں کا چکانا:

انسانی معاملات کی مشکل ترین صورتوں میں سے ایک صورت دو افراد/گروہوں کے مابین کسی تنازعہ کا حل کرنا ہے۔ اس واقعہ میں ہمیں اس حوالے سے بھی حضرت رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ عالیہ کی عظمت، آپ ﷺ کی فیاضی، وسعتِ قلبی اور معاملہ فہمی کا اعلیٰ ترین نمونہ نظر آتا ہے۔ ذیل میں اس سے متعلق چند امور اور متعلقہ عملی اسباق درج کیے جاتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ کی تربیت کی بدولت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے معاملات کو آپ ﷺ کی خدمت میں بلا تاخیر پیش فرما دیا کرتے تھے۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور جناب سُلیم رضی اللہ عنہ نے بھی فوراً معاملے کو نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں تصفیہ کے لیے پیش فرمایا۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ تنازعات کو صاحبانِ امر وقضاء کے سامنے لے جانے میں تاخیر بگاڑ اور تنازعہ اور جھگڑے میں اضافے کا باعث بنا کرتی ہے۔ اس لیے اس سے گریز کرنا چاہیے اور معاملات کو ایسے افراد یا متعلقہ اداروں (forums) کے سامنے پیش کر دینا چاہیے جو ان کے تصفیے کے اختیار و

صلاحیت کے حامل ہوں۔

نبی اکرم ﷺ نے کسی فیصلے پر پہنچنے سے پہلے دونوں اصحاب کا موقف سنا۔ اس کے بعد بے لاگ انداز میں فوری فیصلہ فرما دیا۔ کسی تنازعہ کے حل میں دلچسپی نہ لینا اور اس کے تصفیے کو غیر ضروری طور پر یا بر بنائے غفلت مؤخر کرتے چلے جانا' یا یکطرفہ موقف سن کر فیصلے تک پہنچ جانا اور فریق ثانی کو وضاحت کا موقع دیے بغیر ہی اس کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہو جانا' یا فیصلہ کرنے میں غیر ضروری تاخیر کرنا' ایسے امور ہیں کہ جن کی وجہ سے عدل کے تقاضے بھی پامال ہوتے ہیں اور دونوں فریقوں کے مابین تنازعہ اور جھگڑا بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات یہ تنازعہ اور جھگڑا اس انتہا کو پہنچ جاتا ہے کہ پھر باوجود خواہش وکوشش کے رفع نہیں ہو پاتا اور مستقلاً وجہِ فساد بن جاتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے معاملے کی سماعت کے بعد جب اپنے قریب ترین اور محبوب ترین اصحاب میں سے ایک' سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو خطا پر پایا تو قدرے سختی اور ناراضگی کا اظہار فرماتے ہوئے ان کی اصلاح فرمائی۔ جبکہ بہت سے مواقع پر ہمیں نظر آتا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے اس کے برعکس غلطی کرنے والے صحابہؓ کے ساتھ کسی قسم کی سختی سے گریز فرماتے ہوئے بڑی نرمی سے ان کی اصلاح فرمائی۔ وجہ یہ ہے کہ اگر غلطی کرنے والے صحابی کو آپ ﷺ کی خاطر خواہ صحبت اور آپ ﷺ کی خدمت میں رہ کر علم دین کے حصول کا موقع نہ ملا ہو تو آپ ﷺ ایسے افراد کی اغلاط کی اصلاح کمال ضبط وتحمل کا مظاہرہ فرماتے ہوئے ہمیشہ نرمی وشفقت کے ساتھ فرماتے۔ البتہ اگر معاملہ دوسرا ہوتا' جیسا سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے معاملے کی نوعیت تھی' تو آپ ﷺ سختی کا مظاہرہ بھی فرماتے۔ ہم سب کے لیے اس میں عملی سبق یہ ہے کہ علم رکھتے ہوئے غلطی کرنے والے اور لاعلم شخص کی خطا کی اصلاح کے لیے یکساں طرزِ عمل اختیار نہ کریں۔ اسی طرح کسی کی ناراضگی کے ڈر سے حق بات یا فیصلہ کرنے سے گریز نہ کریں۔ اس طرح کی مداہنت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ناراضگی کا باعث بھی ہوا کرتی ہے اور معاملات کے الجھ جانے کا سبب بھی۔ ایسے مواقع پر وہ جملہ پیش نظر رہنا چاہیے جسے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اپنے مواعظ میں بیان فرماتے ہیں: ''حق بات اگر حق موقع پر حق طریقے اور حق نیت سے کی جائے تو کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔''

حضرت رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو ان کی خطا پر متنبہ فرمایا بلکہ ان کی اصلاح کے لیے عملی صورت کی رہنمائی بھی فرمائی۔ چنانچہ ان کو کئی سورتوں کے نام بتا کر فرمایا کہ ان کی تلاوت کر لیا کرو۔ غور فرمایئے کہ محض کسی کی غلطی کی نشاندہی اکثر اوقات کفایت نہیں کرتی بلکہ اس کو اس کے ساتھ ساتھ اصلاح کے راستے وطریقے کی تعلیم بھی دی جانی چاہیے۔

حضرت رسول اللہ ﷺ نے جنابِ سُلیم رضی اللہ عنہ کا موقف سن کر ان کی طرف محبت سے توجہ فرمائی اور ان سے نرمی وشفقت سے گفتگو فرمائی۔ ان سے نہ تو سخت روی سے پیش آئے' نہ کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار فرمایا' نہ ان کی بات کو مسترد فرمایا اور نہ ان کے دین کے بارے میں انہیں متہم فرمایا۔ باوجود اس کے کہ انہوں نے باجماعت نماز سے علیحدہ ہوتے ہوئے اکیلے نماز پڑھ لی تھی۔ اگرچہ بظاہر ان سے خطا سرزد ہوئی تھی لیکن اس موقع پر نبی اکرم ﷺ کا اسوہ ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ متنازعہ امور میں سطحیت کا مظاہرہ کرنے کے بجائے اصل سبب کا تعین کیا جائے۔ بظاہر کوئی کسی غلطی کا مرتکب ہو رہا ہے' محض اس بنیاد پر اس کی مخالفت یا اس سے نفرت کا رویہ نہیں اپنا لینا چاہیے' بلکہ تحمل کے ساتھ معاملات کے اسباب پر غور کر کے ان کی اصلاح کی کوشش ہونی چاہیے جس کے نتیجے میں مُسبّبات کی اصلاح بھی پائیدار انداز میں ہو جایا کرتی ہے۔

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے جناب سُلیم رضی اللہ عنہ کو نفاق سے متہم کیا تھا جس کا ان کے قلب پر بوجھ تھا۔ چنانچہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے جنابِ سُلیم رضی اللہ عنہ کی دلجوئی فرماتے ہوئے ان سے مزید گفتگو بھی فرمائی تاکہ اس سارے معاملے سے انہیں جو غم کی کیفیت پہنچی ہے اسے کسی قدر ہلکا کیا جا سکے۔ انہیں ''اے بھتیجے!'' کہہ کر مخاطب فرمایا' ان کی دلجوئی وتعلیم کے لیے ان سے دریافت فرمایا کہ تم نماز میں کیا پڑھتے ہو؟ ان کے سوال نما جواب کے نتیجے میں کمال بے تکلفی ومحبت سے فرمایا کہ میں اور معاذ رضی اللہ عنہ بھی نماز میں انہی امور کی دعا کرتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ جس فریق پر زیادتی ہوئی ہو تو اس کی دلجوئی کا بھی کسی قدر اہتمام کرنا چاہیے تاکہ تنازعے کے منفی اثرات کا ازالہ ہو سکے۔

غزوۂ احد میں جب جناب سُلیم رضی اللہ عنہ شہادت کے عظیم مرتبے پر فائز ہوئے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان شہداء کی عظمت' علوِ مرتبت اور انعام واکرام کے بیان پر مشتمل آیات نازل فرمائیں تو اس موقع پر حضرت رسول اللہ ﷺ نے ایک اور پہلو کے اعتبار سے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کی اصلاح فرمائی۔ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کے کردار کی عظمت ملاحظہ فرمایئے کہ انہوں نے فوراً اپنی خطا

کو تسلیم فرمالیا اور اس حوالے سے کوئی جھجک محسوس نہیں کی۔

یہ وہ چند پہلو ہیں جو ضبطِ تحریر میں لائے جا سکے ہیں' ورنہ اس واقعے میں تنازع کو چکانے کے حوالے سے یقیناً اسباقِ علم و عمل کا ایک سمندر موجود ہے۔ غور کرنے والے اس واقعے پر غور کریں گے تو یقیناً اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت سے ایسے تنازعات کے تصفیے اور ایسے بحرانوں کے تسویے کے لیے نبی اکرم ﷺ کی تعلیم و تربیت کے مزید پہلو واضح ہوں گے۔ ان شاء اللہ!

(۳) اصلاح کا طریقۂ کار:

اس واقعہ کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے حضرتِ سُلیم رضی اللہ عنہ کو نفاق سے متہم فرما دیا تھا۔ غالباً سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کا ذہن ان آیاتِ قرآنیہ کی طرف منتقل ہوا ہوگا جن میں منافقین کے حوالے سے نمازوں میں سستی کرنے کی علامت کا ذکر ہوا ہے۔ (۲۶) جب کہ جناب سُلیم رضی اللہ عنہ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے شہادت کے مرتبے پر فائز فرمایا۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے جب استفسار فرمایا تو انہوں نے اپنی غلطی کو تسلیم کیا۔ اس پورے واقعے میں ہمارے لیے انتہائی قابل غور بات یہ ہے کہ ہم اکثر و بیشتر اسی طرح کی غلطیوں کا ارتکاب کر رہے ہوتے ہیں لیکن اپنی غلطی کو تسلیم نہیں کر پاتے اور نتیجتاً ہماری اپنی اصلاح کا عمل رکا رہتا ہے۔ کسی کو غلطی میں مبتلا دیکھ کر اس کے ایمان و اخلاص کو ہی مشکوک نہیں بنا دینا چاہیے۔ کسی کی کوتاہی دیکھ کر اس پر نفاق کا حکم چسپاں کر دینا بھی نامناسب طرزِ عمل ہے۔ کسی کی وقتی خطا پر اس کے بارے میں برائی کا مستقل موقف قائم کر لینا بھی ایک نوع کی انتہا پسندی ہے۔ اسی طرح ہر گناہ میں مبتلا شخص کے بارے دخولِ جہنم کا حکم صادر کر کے بیٹھ جانا بھی تعلیمِ دین نہیں ہے۔ یہ اور اس جیسی تمام صورتوں کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہم ان کی اصلاح کی کوششوں پر قادر ہونے کے باوجود' ایسے افراد کی اصلاح سے گریز کرنا شروع کر دیتے ہیں' ان سے لاتعلق ہو کر بیٹھ جاتے ہیں' انہیں نیکی کی دعوت دینا ترک کر دیتے ہیں' انہیں سمجھا کر یا وعظ و نصیحت کے ذریعے برائی چھوڑنے پر آمادہ کرنے کی کوئی کوشش سرانجام نہیں دیتے۔ نتیجتاً اکثر و بیشتر وہ بھی برائیوں میں بڑھتے چلے جاتے ہیں اور ہم بھی اپنی ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی کے مرتکب ہو رہے ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایسے مواقع پر ہمارا طرزِ عمل مذکورہ بالا صورتوں پر مبنی کیوں نہیں ہوتا؟

ارشاداتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں اس کا جواب آسانی سے تلاش کیا جا سکتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے: ''کسی شخص پر اُس وقت تک تعجب نہ کیا کرو' جب تک یہ نہ

دیکھ لو کہ اس کا خاتمہ کس عمل پر ہو رہا ہے' کیونکہ بعض اوقات ایک شخص ساری زندگی یا ایک طویل عرصہ تک اپنے نیک اعمال پر گزار دیتا ہے کہ اگر اسی حال میں فوت ہو جائے تو جنت میں داخل ہو جائے۔ لیکن پھر اس میں تبدیلی پیدا ہوتی ہے اور وہ گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک آدمی ایک طویل عرصے تک ایسے گناہوں میں مبتلا رہتا ہے کہ اگر اسی حال میں مر جائے تو جہنم میں داخل ہو' لیکن پھر اس میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ نیک اعمال میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے اس کی موت سے پہلے استعمال فرماتے ہیں''۔ صحابہ نے پوچھا کہ کیسے استعمال فرماتے ہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اسے مرنے سے پہلے عمل صالح کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔ پھر اس کی روح قبض کرتے ہیں۔''(۲۷) چنانچہ نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ اصلاح کی کوششوں کو ابتداءً یا کسی اور وقت تک ترک کر دینے کی بجائے مستقل مزاجی اور مثبت امید کے ساتھ جاری رکھنا چاہیے۔ اسی طرح کسی کی آخرت کے بارے میں کوئی فیصلہ صادر کرنے سے پہلے اس ارشادِ نبوی ﷺ پر غور کر لینا چاہیے: ''کسی شخص نے کہا: اللہ کی قسم' اللہ فلاں شخص کی مغفرت نہیں فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ کون ہے جو مجھ پر حاکم بن رہا ہے کہ میں فلاں کی مغفرت نہیں کروں گا۔ پس میں نے اس کی تو مغفرت فرما دی اور (اے کہنے والے) میں نے تیرے عمل کو ضائع کر دیا۔''(۲۸)

پس کسی انسان پر اس کے بعض ظاہری و سرسری افعال و اعمال دیکھ کر اس کے باطن پر مستقل حکم نہیں لگانا چاہیے' کیونکہ بعض اوقات اس کے اور اس کے رب کے مابین کچھ ایسے اسرار اور نیک اعمال پوشیدہ ہوتے ہیں کہ جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا' پس اللہ تعالیٰ اسے حسنِ خاتمہ کی دولت سے سرفراز کر دیتے ہیں چاہے وہ آج ہمیں کسی برائی میں مبتلا نظر آ رہا ہو۔ اللہ تعالیٰ سے ہمیں بھی اپنے لیے حسن خاتمہ کا سوال کرنا چاہیے۔ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کسی شخص کے بارے میں خیر یا شر کا مستقل موقف نہیں قائم کرتا' ایک فرمان کے بعد جو میں نے آپ ﷺ سے سنا ہے۔ پوچھا گیا کہ وہ فرمان کیا ہے؟ فرمایا کہ میں نے حضرت رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''ابن آدم کا قلب ابلتی ہوئی ہنڈیا سے بھی زیادہ تغیر آمیز ہے۔''(۲۹) لہٰذا تمام داعیانِ دین' معلّمین' مربیین و مصلحین کو یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ آج اگر کوئی شخص کسی برائی میں مبتلا ہے تو ممکن ہے کہ کل اللہ تعالیٰ اسے اصلاح کی توفیق عطا فرما دیں اور کیا عجب کہ ہمیں ہی اس کا ذریعہ بنا دیں۔ کسی کے بارے میں بھی حتمی اور

فیصلہ کن بات اختتامی صورت سے ہی سامنے آتی ہے۔ کسی وقت لوگوں کے ظاہر سے متاثر ہو کر رواروی میں ان کے باطن پر حکم نہیں لگا دینا چاہیے۔ کسی کو معصیت اور نافرمانی میں مبتلا دیکھ کر اس کی معصیت و نافرمانی ہمارے لیے اسے اللہ کے دین کی دعوت دینے، اُس کی طرف بلانے، توبہ اور اچھی امید دلا کر اصلاح کی ترغیب دلانے سے مانع نہیں ہو جانی چاہیے۔ مزید یہ کہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیْمِ)) (۳۰) ''اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے۔''

محترم قارئین! ہمیں حضرت رسول اللہ ﷺ کے انہی اخلاقِ عالیہ اور تعلیمات کو حرزِ جاں بنا لینا چاہیے۔ خطا کرنے والوں کے ساتھ غیر ضروری سختی کے ساتھ پیش نہیں آنا چاہیے، انہیں متہم نہیں کرنا چاہیے، اور ان کے ساتھ محض خطا سرزد ہو جانے کی بنا پر درشت رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ ان کی بات سننی چاہیے، ان کے ساتھ تعلق برقرار رکھنا چاہیے، نرمی و محبت کے ساتھ ان کی غلطیوں کی اصلاح کرنی چاہیے اور دینی تقاضے کے طور پر ان سے محبت کرنی چاہیے۔ ایسے تمام معاملات میں نبی اکرم ﷺ کی اقتدا ہی ہمارے لیے کافی ہو جائے گی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں نبی اکرم ﷺ کی سنت، آپؐ کے اخلاق اور آپؐ کے طریقوں کی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے، قیامت میں آپ ﷺ کا ساتھ نصیب فرمائے، ہمارا حشر صالحین کے زمرے میں فرمائے، ہمیں رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے بہرہ ور فرمائے، ان کے حوض سے سیراب فرمائے، ان کے دست مبارک سے وہ جام پینے کی سعادت عطا فرمائے کہ جس کے بعد ہمیں کبھی پیاس کی تکلیف محسوس نہ ہو —— آمین!

حواشی

(۱) مسند احمد، باقی مسند الانصار، حدیث سیدة عائشة رضی اللّٰہ عنها

(۲) اس واقعہ کو کئی محدثین نے اپنے مجموعہ ہائے احادیث میں درج فرمایا ہے۔ مسند حمیدی و مسند ابن ابی شیبہ اور سنن بیہقی وغیرہ میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ نقل ہوا ہے جبکہ صحیح بخاری، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، مسند احمد وغیرہ میں نسبتاً اختصار کے ساتھ نقل ہوا ہے۔

(۳) مسند حمیدی میں سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے منقول الفاظ یوں ہیں: كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الْعِشَاءَ ثُمَّ يَرْجِعُ فَيُصَلِّيهَا بِقَوْمِهِ ، قَالَ فَأَخَّرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْعِشَاءَ ذَاتَ لَيْلَةٍ ، قَالَ فَصَلَّاهَا مُعَاذٌ مَعَهُ ثُمَّ رَجَعَ فَأَمَّ قَوْمَهُ فَافْتَتَحَ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ فَتَنَحَّى رَجُلٌ مِمَّنْ خَلْفَهُ فَصَلَّى وَحْدَهُ ثُمَّ انْصَرَفَ (مسند الحمیدی، احادیث الزبیر بن العوام، ص ۳۳۱ الناشر: دار السقا، دمشق، سوریا، الطبعة : الاولی، ۱۹۹۶ م)

(٤) فَلَمَّا طَالَ عَلَى الْفَتَى صَلَّى وَخَرَجَ فَأَخَذَ بِخِطَامِ بَعِيرِهِ وَانْطَلَقَ (سنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الصلاة، باب ما علی الامام من التخفیف) جبکہ مسند احمد کی روایت میں سورۃ القمر کی تلاوت کا تذکرہ آیا ہے: وجاء فی مسند احمد اِنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ يَقُولُ صَلَّى بِأَصْحَابِهِ صَلَاةَ الْعِشَاءِ فَقَرَأَ فِيهَا اقْتَرَبَتْ السَّاعَةُ فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ قِبَلِ أَنْ يَفْرُغَ فَصَلَّى وَذَهَبَ ، فَقَالَ لَهُ مُعَاذٌ قَوْلًا شَدِيدًا ، فَأَتَى الرَّجُلُ النَّبِيَّ ﷺ فَاعْتَذَرَ إِلَيْهِ فَقَالَ إِنِّي كُنْتُ أَعْمَلُ فِي نَخْلٍ فَخِفْتُ عَلَى الْمَاءِ ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ صَلِّ بِالشَّمْسِ وَضُحَاهَا وَنَحْوِهَا مِنْ السُّوَرِ (مسند احمد، مسند الانصار، حدیث بریدة الاسلمی)

(٥) فَلَمَّا صَلَّى مُعَاذٌ ذُكِرَ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ إِنَّ هَذَا بِهِ لَنِفَاقٌ لَأُخْبِرَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ بِالَّذِي صَنَعَ وَقَالَ الْفَتَى وَأَنَا لَأُخْبِرَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ بِالَّذِي صَنَعَ (سنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الصلاة، باب ما علی الامام من التخفیف)

(٦) فَقَالُوا لَهُ نَافَقْتَ فَقَالَ : اَوَلٰكِنِّي آتِي رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَأُخْبِرُهُ (مسند الحمیدی ، احادیث الزبیر بن العوام، ص ۳۳۱ الناشر: دار السقا، دمشق، سوریا، الطبعة : الاولی، ۱۹۹۶ م) ـــ مَا نَافَقْتُ وَلٰكِنِّي آتِي رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَأُخْبِرُهُ (سنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الصلاة، باب خروج الرجل من صلاة الامام)

(٧) فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّكَ أَخَّرْتَ الْعِشَاءَ الْبَارِحَةَ وَإِنَّ مُعَاذًا صَلَّاهَا مَعَكَ ثُمَّ رَجَعَ فَأَمَّنَا فَافْتَتَحَ سُورَةَ الْبَقَرَةِ فَتَنَحَّيْتُ فَصَلَّيْتُ وَحْدِي وَإِنَّمَا نَحْنُ أَهْلُ نَوَاضِحَ نَعْمَلُ بِأَيْدِينَا (سنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الصلاة، باب خروج الرجل من صلاة الامام) ـــ فَأَتَى رَسُولَ اللّٰه ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّكَ أَخَّرْتَ الْعِشَاءَ الْبَارِحَةَ وَإِنَّ مُعَاذًا صَلَّاهَا مَعَكَ ثُمَّ رَجَعَ فَأَمَّنَا فَافْتَتَحَ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ فَلَمَّا رَأَيْتُ ذَلِكَ تَأَخَّرْتُ فَصَلَّيْتُ وَحْدِي وَإِنَّمَا نَحْنُ أَهْلُ نَوَاضِحَ نَعْمَلُ بِأَيْدِينَا(مسند الحمیدی، احادیث الزبیر بن العوام، ص ۳۳۱ الناشر: دار السقا، دمشق، سوریا، الطبعة : الاولی، ۱۹۹۶ م)

(٨) فَأَقْبَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى مُعَاذٍ فَقَالَ أَفَتَّانٌ أَنْتَ يَا مُعَاذُ، أَفَتَّانٌ أَنْتَ؟ اقْرَأْ سُورَةَ كَذَا وَسُورَةَ كَذَا وَعَدَّدَ السُّوَرَ، قَالَ سُفْيَانُ وَزَادَ فِيهِ أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى، وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ، وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا، وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ، قَالَ سُفْيَانُ فَقُلْتُ لِعَمْرِو بْنِ دِينَارٍ إِنَّ أَبَا الزُّبَيْرِ يَقُولُ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اقْرَأْ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى، وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا، وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ، وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ، فَقَالَ عَمْرٌو وَهُوَ هَذَا أَوْ نَحْوُ هَذَا (مسند الحمیدی، احادیث الزبیر بن العوام، ص ۳۳۱ الناشر: دار السقا، دمشق، سوریا، الطبعة : الاولی، ۱۹۹۶ م) جبکہ صحیح

بخاری کی روایت میں اس واقعہ کی تفصیل یوں مذکور ہوئی ہے: وفی صحیح البخاری عن جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَنْصَارِیِّ قَالَ أَقْبَلَ رَجُلٌ بِنَاضِحَیْنِ وَقَدْ جَنَحَ اللَّیْلُ فَوَافَقَ مُعَاذًا یُصَلِّی فَتَرَكَ نَاضِحَهُ وَأَقْبَلَ إِلَی مُعَاذٍ فَقَرَأَ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ أَوِ النِّسَاءِ، فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ وَبَلَغَهُ أَنَّ مُعَاذًا نَالَ مِنْهُ، فَأَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَشَكَا إِلَیْهِ مُعَاذًا، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ یَا مُعَاذُ أَفَتَّانٌ أَنْتَ أَوْ أَفَاتِنٌ، ثَلاثَ مِرَارٍ، فَلَوْلا صَلَّیْتَ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ، وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا، وَاللَّیْلِ إِذَا یَغْشَی، فَإِنَّهُ یُصَلِّی وَرَائَكَ الْكَبِیرُ وَالضَّعِیفُ وَذُو الْحَاجَةِ (البخاری، کتاب الاذان، باب من شکا امامه اذا طول)

(۹) وفی سنن ابی داؤد (۱/ ۲۹۲) عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: قَالَ النَّبِی ﷺ لِرَجُلٍ: كَیْفَ تَقُولُ فِی الصَّلاةِ؟ قَالَ أَتَشَهَّدُ وَأَقُول اللّٰهُمَّ إِنِّی أَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ، أَمَا إِنِّی لَا أُحْسِنُ دَنْدَنَتَكَ وَلَا دَنْدَنَةَ مُعَاذ، فَقَالَ النَّبِی ﷺ أنا ومعاذ حَوْلَهَا نُدَنْدِن (سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب فی تخفیف الصلاة) جبکہ صحیح ابن حبان کی روایت یوں ہے: عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِرَجُلٍ مَا تَقُولُ فِی الصَّلاةِ؟ فَقَالَ أَتَشَهَّدُ ثُمَّ أَقُولُ اللّٰهُمَّ إِنِّی أَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ، أَنَا وَاللّٰهِ مَا أُحْسِنُ دَنْدَنَتَكَ وَلا دَنْدَنَةَ مُعَاذٍ، فَقَالَ ﷺ حَوْلَهَا نُدَنْدِنُ(ابن حبان، باب الادعیة، ذکر ما یجب أن یکون قصد المرء فی جوامع دعائه۔۔۔) اسی طرح صحیح ابن خزیمہ میں روایت ان الفاظ میں نقل ہوئی ہے: عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِرَجُلٍ مَا تَقُولُ فِی الصَّلاةِ؟ قَالَ: أَتَشَهَّدُ ثُمَّ أَقُولُ: اللّٰهُمَّ إِنِّی أَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ، أَمَا وَاللّٰهِ مَا أُحْسِنُ دَنْدَنَتَكَ وَلا دَنْدَنَةَ مُعَاذٍ، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: حَوْلَهُمَا نُدَنْدِنُ (ابن خزیمة، کتاب الصلاة، باب مسألة الله الجنة۔۔۔)

(۱۰) قَالَ: قَالَ الْفَتَی وَلَكِنْ سَیَعْلَمُ مُعَاذٌ إِذَا قَدِمَ الْقَوْمُ وَقَدْ خَبَرُوا أَنَّ الْعَدُوَّ قَدْ دَنَوْا قَالَ فَقَدِمُوا قَالَ فَاسْتُشْهِدَ الْفَتَی، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ بَعْدَ ذَلِكَ لِمُعَاذٍ: مَا فَعَلَ خَصْمِی وَخَصْمُكَ؟ قَالَ: یَا رَسُولَ اللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهَ وَكَذَبْتُ اسْتُشْهِدَ (ابن خزیمه، کتاب الامامة فی الصلاة، باب اباحة ائتمام المصلی)

(۱۱) چنانچہ رفع الحرج اسی امت کی امتیازی شان ہے یا سابقہ امم کی شریعتوں میں بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی یہی سنت جاری رہی ہے' اس حوالے سے پہلی بات جو علماء و مفسرین کرام رحمہم اللہ کی تصریحات کی روشنی میں کہی جا سکتی ہے' یہ ہے کہ عمومیت کے ساتھ امم سابقہ کو بھی یہ خصوصیت حاصل رہی' لیکن اس معاملے میں جو مقام امت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہوا ہے اس میں وہ بعض جزئیات (مثلاً مالِ غنیمت کی حلت) کے علاوہ بحیثیت مجموعی بھی منفرد ہے۔ اور یہ

انفرادیت سب سے بڑھ کر نبی اکرم ﷺ کے علو مرتبت کے باعث ہے۔ اسی طرح ان اسباب کی فہرست میں آپ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا' آپ ﷺ کی رسالت کی عمومیت' آپ ﷺ کی امت کا آخر الامم اور اُمت وسط ہونا اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کا آخری و ابدی ہونا بھی شامل ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ موجودہ اُمت اور سابقہ اُمتوں میں سے جن افراد نے بھی خالصتاً اللہ کی بندگی اختیار کی ان کے حق میں اس بندگی سے متعلق خصوصی تیسیر و تخفیف کی نعمت خداوندی ظاہر ہوتی رہی ہے۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رفع الحرج کی نعمت بالخصوص ان بندوں کے حق میں ایک خاص شان کے ساتھ واقع ہوتی ہے جو شریعت پر استقامت کے ساتھ عمل پیرا رہتے ہیں: ''قَالَ الْعُلَمَاءُ رَفْعُ الْحَرَجِ إِنَّمَا هُوَ لِمَنِ اسْتَقَامَ عَلَی مِنْهَاجِ الشَّرْعِ وَأَمَّا السَّلابَةُ وَالسُّرَّاقُ وَأَصْحَابُ الْحُدُودِ فَعَلَیْهِمُ الْحَرَجُ وَهُمْ جَاعِلُوهُ عَلَی أَنْفُسِهِمْ بِمُفَارَقَتِهِمُ الدِّینَ '' (تفسیر القرطبی، سورۃ الحج)۔ اسی طرح مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس حوالے سے ایک اور پہلو کی تصریح یوں فرماتے ہیں: ''حضرت قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری میں فرمایا کہ دین میں تنگی نہ ہونے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو ساری امتوں میں سے اپنے لیے منتخب فرما لیا ہے' اس کی برکت سے اس امت کے لوگوں کو دین کی راہ میں بڑی سے بڑی مشقت اٹھانا بھی آسان بلکہ لذیذ ہو جاتا ہے۔ محنت سے راحت ملنے لگتی ہے' خصوصاً جب دل میں حلاوتِ ایمان پیدا ہو جائے تو سارے بھاری کام بھی ہلکے پھلکے محسوس ہونے لگتے ہیں۔''

(۱۲) بنی اسرائیل پر سخت احکامات کی وجوہات قرآن حکیم میں ان کا ظلم' انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب اور ان کا قتل' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کفر اور حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان' اللہ کے ساتھ کیے گئے وعدوں کو بار بار توڑنا' شریعت کے احکامات کو بہانے بنا کر توڑنا' معصیت اور حق دشمنی میں مبتلا ہو جانا شامل ہے۔ ان وجوہات کا ذکر ان آیات میں وارد ہوا ہے: النساء: ۱۶۰۔۱۶۱' الانعام: ۱۴۶' البقرۃ: ۶۱' النساء: ۱۵۵۔۱۵۶' البقرۃ: ۸۶

(۱۳) ﴿وَیَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلالَ الَّتِی كَانَتْ عَلَیْهِمْ﴾ (الأعراف: ۱۵۷) جبکہ سورۃ البقرۃ کے آخر میں اسی حوالے دعائیں سکھائی گئی ہیں: ﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَی الَّذِینَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ﴾ (البقرۃ: ۲۸۶) ''اے ہمارے پروردگار! ہم پر اس طرح کا بوجھ نہ ڈالیے جیسا آپ نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اور اے ہمارے پروردگار! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالیے جسے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔''

(۱۴) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا یُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرۃ: ۲۸۶) ''اللہ کسی بھی

شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں سونپتا‘‘۔ حافظ ابن کثیرؒ نماز کی مثال دیتے ہوئے اس حقیقت کی وضاحت یوں فرماتے ہیں: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ أَيْ :مَا كَلَّفَكُمْ مَا لَا تُطِيقُونَ وَمَا أَلْزَمَكُمْ بِشَيْءٍ فَشَقَّ عَلَيْكُمْ إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ فَرَجًا وَمَخْرَجًا فَالصَّلَاةُ الَّتِي هِيَ أَكْبَرُ أَرْكَانِ الْإِسْلَامِ بَعْدَ الشَّهَادَتَيْنِ تَجِبُ فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا وَفِي السَّفَرِ تُقْصَرُ إِلَى ثِنْتَيْنِ وَفِي الْخَوْفِ يُصَلِّيهَا بَعْضُ الْأَئِمَّةِ رَكْعَةً كَمَا وَرَدَ بِهِ الْحَدِيثُ وَتُصَلَّى رِجَالًا وَرُكْبَانًا مُسْتَقْبِلِي الْقِبْلَةِ وَغَيْرَ مُسْتَقْبِلِيهَا وَكَذَا فِي النَّافِلَةِ فِي السَّفَرِ إِلَى الْقِبْلَةِ وَغَيْرِهَا وَالْقِيَامُ فِيهَا يَسْقُطُ بِعُذْرِ الْمَرَضِ فَيُصَلِّيهَا الْمَرِيضُ جَالِسًا فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَى جَنْبِهِ إِلَى غَيْرِ ذٰلِكَ مِنَ الرُّخَصِ وَالتَّخْفِيفَاتِ فِي سَائِرِ الْفَرَائِضِ وَالْوَاجِبَاتِ وَلِهٰذَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بُعِثْتُ بِالْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ وَقَالَ لِمُعَاذٍ وَأَبِي مُوسٰى حِينَ بَعَثَهُمَا أَمِيرَيْنِ إِلَى الْيَمَنِ بَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَيَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَالْأَحَادِيثُ فِي هٰذَا كَثِيرَةٌ وَلِهٰذَا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ :﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ يَعْنِي مِنْ ضِيقٍ۔(تفسیر ابن کثیر‘ ۵/۴۵۶-۴۵۵)

(۱۵) ﴿يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾(البقرۃ:۱۸۵) **’’اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا چاہتا ہے اور تمہارے لیے مشکل پیدا کرنا نہیں چاہتا‘‘**۔ ﴿يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا۝﴾(النساء:۲۸) **’’اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرے‘ اور انسان کمزور پیدا ہوا ہے‘‘**۔ ﴿مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ﴾ (المائدۃ:۶) **’’اللہ تم پر کوئی تنگی مسلط کرنا نہیں چاہتا۔‘‘**

(۱۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابنِ الزُّبَيْرِ ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ﴾ قَالَ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَّا فِي أَخْلَاقِ النَّاسِ وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بَرَّادٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ أَمَرَ اللّٰهُ نَبِيَّهُ ﷺ أَنْ يَأْخُذَ الْعَفْوَ مِنْ أَخْلَاقِ النَّاسِ أَوْ كَمَا قَالَ (صحیح البخاری، كِتَاب تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ، بَاب خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ......)

(۱۷) معارف القرآن‘ جلد چهارم‘ ص ۱۵۴‘۱۵۵

(۱۸) أَنَّ رَجُلًا قَالَ وَاللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي لَأَتَأَخَّرُ عَنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مِنْ أَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا يُطِيلُ بِنَا فَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فِي مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ ثُمَّ قَالَ: إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِينَ فَأَيُّكُمْ مَا صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيَتَجَوَّزْ فَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَالْكَبِيرَ وَذَا الْحَاجَةِ (صحيح البخاری ، کتاب الاذان ، باب تخفيف الامام فی القيام واتمام الركوع والسجود)

(۱۹) أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِنِّي لَأَدْخُلُ فِي الصَّلَاةِ وَأَنَا أُرِيدُ إِطَالَتَهَا

فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أُمِّهِ مِنْ بُكَائِهِ(صحيح البخاری، کتاب الاذان، باب من اخف الصلاة عند بكاء الصبی)

(۲۰) إِنَّ خَيْرَ دِينِكُمْ أَيْسَرُهُ إِنَّ خَيْرَ دِينِكُمْ أَيْسَرُهُ إِنَّ خَيْرَ دِينِكُمْ أَيْسَرُهُ ’’وفی لفظ: إِنَّكُمْ أُمَّةٌ أُرِيدَ بِكُمُ الْيُسْرُ (مسند احمد، مسند البصريين، حديث محجن بن الادرع رضی اللّٰه تعالی عنه) **اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان ہے:** عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قِيلَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَيُّ الْأَدْيَانِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ؟ قَالَ الْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ (مسند أحمد ۵/ ۵۳)

حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ اللہ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ پسندیدہ دین کون سا ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا جو سب سے یکسو ہو کر ایک اللہ کے لیے ہو اور آسانی وسہولت پر مبنی ہو۔

(۲۱) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ فَقَدْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَنْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ فَقَدْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَفِي الْبَاب عَنْ عَائِشَةَ وَجَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ (سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی الرفق) **امام غزالی ؒ فرماتے ہیں:** الرفق محمود وضده العنف والحدة والعنف ينتجه الغضب والفظاظة والرفق واللين ينتجهما حسن الخلق والسلامة والرفق ثمرة لا يثمرها الا حسن الخلق ، ولا يحسن الخلق الا بضبط قوة الغضب وقوة الشهوة وحفظهما على حد الاعتدال ولذلك أثنى المصطفى على الرفق وبالغ فيه۔

(۲۲) إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ(مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل الرفق)، إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْخُرْقِ ، وَإِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا أَعْطَاهُ الرِّفْقَ ، مَا مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ يُحْرَمُونَ الرِّفْقَ إِلا قَدْ حُرِمُوا (المعجم الكبير‘ ص ۳۰۶‘ الناشر: مكتبة العلوم والحكم الموصل الطبعة الثانية‘ ۱۴۰۴ـ ۱۹۸۳)إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ(صحيح البخاری، کتاب الادب، باب الرفق فی الامر كله)

(۲۳) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللّٰه عنها قَالَتْ مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ أَمْرَيْنِ أَحَدُهُمَا أَيْسَرُ مِنَ الْآخَرِ إِلَّا اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا فَإِنْ كَانَ إِثْمًا كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ(صحيح مسلم، کتاب الفضائل، باب مباعدته للآثام واختياره من المباح أسهله)

(۲۴) إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَأَبْشِرُوا وَاسْتَعِينُوا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ (صحيح البخاری، كِتَاب الْإِيمَان ، بَاب الدِّينُ

يُسْرٌ.....)قال الحافظ ابن رجب رحمه اللّٰه : معنى الحديث : النهى عن التشديد فى الدين بأن يحمّل الانسان نفسه من العبادة ما لا يحتمله الا بكلفة شديدة وهذا هو المراد بقوله ﷺ :(لن يشاد الدين أحد الا غلبه) يعنى : أن الدين لا يؤخذ بالمغالبة فمن شاد الدين غلبه وقطعه(فتح البارى لابن رجب، كتاب الايمان، باب اذا لم يكن الاسلام على الحقيقة)

(٢٥) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا وَبَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا(متفق عليه) وفى رواية: يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا وَسَكِّنُوا وَلَا تُنَفِّرُوا (صحيح البخارى، كتاب الادب، باب قول النبى ﷺ: يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا)

(٢٦) ﴿وَاِذَا قَامُوا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝﴾ (النساء: ١٤٢) ''اور جب یہ لوگ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو کسمساتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں' لوگوں کے سامنے دکھاوا کرتے ہیں' اور اللہ کو تھوڑا ہی یاد کرتے ہیں''۔

(٢٧) لَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَعْجَبُوا بِأَحَدٍ حَتّٰى تَنْظُرُوا بِمَ يُخْتَمُ لَهُ، فَإِنَّ الْعَامِلَ يَعْمَلُ زَمَانًا مِنْ عُمْرِهِ أَوْ بُرْهَةً مِنْ دَهْرِهِ بِعَمَلٍ صَالِحٍ لَوْ مَاتَ عَلَيْهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ، ثُمَّ يَتَحَوَّلُ فَيَعْمَلُ عَمَلًا سَيِّئًا، وَإِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ الْبُرْهَةَ مِنْ دَهْرٍ بِعَمَلٍ سَيِّءٍ لَوْ مَاتَ عَلَيْهِ دَخَلَ النَّارَ ، ثُمَّ يَتَحَوَّلُ فَيَعْمَلُ عَمَلًا صَالِحًا، وَإِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا اسْتَعْمَلَهُ قَبْلَ مَوْتِهِ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَكَيْفَ يَسْتَعْمِلُهُ؟ قَالَ : يُوَفِّقُهُ لِعَمَلٍ صَالِحٍ ثُمَّ يَقْبِضُهُ عَلَيْهِ (مسند أحمد بن حنبل، مُسْنَدُ الْعَشَرَةِ الْمُبَشَّرِينَ بِالْجَنَّةِ ، بَاقِي مُسْنَدِ الْمُكْثِرِينَ مِنَ الصَّحَابَةِ)

(٢٨) عَنْ جُنْدَبٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ حَدَّثَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ : وَاللّٰهِ لَا يَغْفِرُ اللّٰهُ لِفُلَانٍ وَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى قَالَ : مَنْ ذَا الَّذِي يَتَأَلّٰى عَلَيَّ أَنْ لَا أَغْفِرَ لِفُلَانٍ فَإِنِّي قَدْ غَفَرْتُ لِفُلَانٍ وَأَحْبَطْتُ عَمَلَكَ (مسلم، كتاب البر والصلة، باب النهى عن تقنيط الانسان من رحمة اللّٰه)

(٢٩) قَالَ الْمِقْدَادُ بْنُ الْأَسْوَدِ: لَا أَقُولُ فِي رَجُلٍ خَيْرًا وَلَا شَرًّا حَتّٰى أَنْظُرَ مَا يُخْتَمُ لَهُ بَعْدَ شَيْءٍ سَمِعْتُهُ مِنَ النَّبِي قِيلَ: وَمَا سَمِعْتَ؟ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ يَقُولُ: لَقَلْبُ ابْنِ آدَمَ أَشَدُّ انْقِلَابًا مِنَ الْقِدْرِ إِذَا اجْتَمَعَتْ غَلْيًا (مسند احمد، بَاقِي مُسْنَدِ الْأَنْصَارِ ، حَدِيثُ الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ)

(٣٠) صحيح البخارى، كتاب القدر، باب العمل بالخواتيم

مصائب و آلام کی حقیقت

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

دین اسلام اُمید کا دین ہے اور اس میں کسی شخص کو مایوس نہیں کیا گیا۔ جن کی زندگی کے دن تلخ گزر رہے ہیں ان کو بھی اچھے انجام کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ انسانی زندگی میں دکھ سکھ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ بیماری اور غربت بھی دکھ ہیں۔ یہاں کئی طرح کی پریشانیاں اور صدمے ہیں۔ خوشیوں کے لمحے بھی ہیں۔ کچھ لوگوں کے ہاں دولت کی ریل پیل ہے اور وہ اپنی دولت کے بل پر ہر آسائش خرید لیتے ہیں۔ مفلس اور نادار لوگ انہیں بڑے نصیبے والے سمجھتے ہیں اور ان کی حالت پر رشک کرتے ہیں۔

خوشحال اور متمول لوگ عام طور پر ناداروں اور مسکینوں کو اپنے سے کمتر، گھٹیا اور بے وقعت سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ رویہ درست نہیں ہے، اس لیے کہ مال و دولت اس بات کی نشانی نہیں ہے کہ یہ لوگ واقعی معزز ہیں اور نہ اس بات کی نشانی ہے کہ غربت، افلاس یا بیماری میں مبتلا لوگ بے وقعت ہیں۔ اسلام میں تو وہ شخص معزز ہے جو پرہیزگار ہے خواہ وہ دولت مند ہو یا مسکین۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے اور اکثر ہوتا ہے کہ ایک دولت مند آدمی اپنی خوشحالی میں مست ہوکر اللہ کو ناراض کرنے والے کاموں میں لگا رہتا ہے اور اس بات سے غافل ہوتا ہے کہ اللہ ہی ہے جو روزی میں فراخی دیتا ہے۔ لہٰذا اُس کا شکر ادا کرنا چاہیے اور دولت کو صرف ان ہی کاموں میں خرچ کرنا چاہیے جو کام اللہ کو پسند ہوں۔ اسی طرح نادار اور مسکین لوگوں کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہے، کیونکہ اُس نے ان پر تنگ دستی طاری کر رکھی ہے۔ اس بات پر یقین رکھنا چاہیے کہ نہ دولت مندی اللہ کی خوشنودی کا باعث ہے اور نہ تنگدستی اللہ کی ناراضگی کی علامت۔

امیر اور غریب کوئی بھی حوادثِ زمانہ سے محفوظ نہیں۔ انسانی زندگی میں غمی اور خوشی ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ صدموں اور غموں کو انسان ناپسند کرتا ہے اور خوشحالی کو پسند کرتا ہے۔ مگر کوئی خوش حال ایسا نہیں جس کو صدمات یا ناگواریوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اسلام نہ امیروں کی

حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ وہ اچھے ہیں اور نہ غریبوں کو مایوس کرتا ہے کہ ان کے مقدر میں بس دکھ اور تکلیف ہی ہے۔ بلکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ وہ بندہ خوش نصیب اور اللہ کا پسندیدہ ہے جو اُس کے احکام پر چلے۔ سورۃ الحجرات (آیت ۱۳) میں واضح طور پر فرمادیا: ﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ؕ﴾ ''بے شک تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ شعار ہو''۔ تقویٰ نہ امیروں کی میراث ہے نہ غریبوں کی۔ ہر شخص آزاد ہے کہ وہ تقویٰ اختیار کرے یا اللہ کا نافرمان بنے۔ انسانوں کی ایک تقسیم یہ ہے کہ کچھ مؤمن ہیں اور کچھ کافر۔ کافر تو اسلام کے سوا جو دین یا طریقہ اختیار کریں گے وہ ان سے ہرگز قبول نہ ہوگا۔ جو دائرہ اسلام میں داخل ہیں ان کی پھر دو قسمیں ہیں: ایک متقی اور دوسرے فجار۔ اس تقسیم میں دولت مندی اور غربت کا کوئی دخل نہیں۔ دولت مند مسلمان بھی امتحان میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال کو کس طرح خرچ کرتا ہے، اور نادار اور مفلس بھی امتحان میں ہے کہ وہ اللہ کا صابر بندہ بنتا ہے یا شکوہ و شکایت کرتا رہتا ہے۔

مسلمان جس حال میں بھی ہے، اُس کا صابر و شاکر ہونا پسندیدہ ہے۔ انسان پر جو بھی سختی یا مصیبت آتی ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے: ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ ؕ﴾ (التغابن: ۱۱) ''انسان کو کوئی مصیبت نہیں پہنچتی مگر اللہ کے حکم سے''۔ بڑے بڑے متقی اور نیک لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ بیماریوں اور صدمات میں زندگی گزار دیتے ہیں۔ ان کا مصائب میں مبتلا رہنا ان کی بدنصیبی کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا کسی مصیبت زدہ، لاچار، بیمار یا نادار کو دیکھ کر اسے گھٹیا یا حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ ایسے لوگ اگر صابر ہیں تو اللہ کے ہاں اعلیٰ درجات پائیں گے، خواہ وہ دنیا میں مالدار تھے یا مفلس۔ اللہ تعالیٰ مائل بہ کرم ہے اور اُسے انسانوں کے گناہ بخشنا اچھا لگتا ہے۔ بعض لوگ اپنے اعمال میں کمتر ہوتے ہیں مگر کسی حکمت کے تحت اللہ تعالیٰ ان کو بخشنا چاہتا ہے تو وہ ان پر بیماری یا مصیبت ڈال دیتا ہے جو ان کی بخشش کا سبب بن جاتی ہے۔

غربت بھی مصیبت ہے، لیکن غربت کو صبر کے ساتھ کاٹنا اللہ کی رحمت کو پانے کا ذریعہ ہے۔ اگر ایک شخص خوشحال ہے لیکن متقی اور پرہیزگار بھی ہے، اس کے مقابلے میں دوسرا شخص غریب ہے مگر زندگی میں برائیوں سے نفرت کرتا ہے اور صبر کے ساتھ زندگی گزار رہا ہے تو دونوں اچھائی کی طرف بڑھ رہے ہیں، مگر صابر نادار نسبتاً بہتر انجام پائے گا۔ حضرت جابر بن

عبداللہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نادار مسلمان مالداروں سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔'' (ترمذی) یہ بدلہ ہوگا اس بات کا کہ انہوں نے دنیا میں خوشحالی نہیں دیکھی بلکہ تنگدستی میں صبر کے ساتھ گزارہ کرتے رہے۔

ایک شخص نابینا ہوتا ہے' وہ بصارت سے محروم ہونے کی وجہ سے نہ کسی انسان کا چہرہ دیکھ سکتا ہے نہ کسی حسین منظر کو دیکھ کر لطف اندوز ہوسکتا ہے۔ غرض اس کی محرومی اور بے بسی اس کے لیے مسلسل مصیبت ہوتی ہے' لیکن انجام کے لحاظ سے یہ جنت کے ملنے کا باعث ہے۔ حضرت ابوہریرہ ؓ رسول اللہ ﷺ سے حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد مبارک نقل کرتے ہیں: ''میں جس بندہ کی دو محبوب ترین چیزیں (یعنی آنکھیں) لے لوں اور وہ اس پر صبر کرے اور اجر وثواب کی امید رکھے تو میں اس کے لیے جنت سے کم بدلہ پر راضی نہیں ہوں گا۔'' (ترمذی)

دنیوی زندگی میں غریب اور کمزور کی کوئی عزت نہیں۔ اسی طرح بیمار' معذور' مزدور اور معمولی تنخواہ پانے والے ملازمین معاشرے میں حقیر سمجھے جاتے ہیں خواہ وہ عملی طور پر کتنے اچھے مسلمان ہوں' مگر یہ دھوکا ہے۔ دنیا کی یہ زندگی تو سراسر دھوکا ہے۔ یہاں کے باعزت' اعلیٰ عہدوں کے مالک' دولت منداور حکمران دھوکے میں ہیں۔ وہ حقیقی کامیاب نہیں۔ اسی طرح حقیر سمجھے جانے والے لوگ جو تقویٰ شعار ہیں' خواہ ان کی ظاہری حالت جیسی بھی ہو' وہ کامیاب ہیں۔ اگر ''یوم الدین'' (جزا وسزا کا دن) کا تصور ذہن میں لائیں تو نجات یافتہ لوگوں کی قطار میں حقیر' مسکین' بیمار اور گمنام افراد ہوں گے اور ناکام وہ ہوں گے جو دُنیا میں نامور' بڑی حیثیت کے مالک اور صاحبِ جائیداد تھے' مگر اپنے اقتدار کے بل بوتے پر بے کس لوگوں پر ظلم کرتے تھے۔ بدعنوانی ان کے نزدیک کوئی جرم نہیں بلکہ عقل مندی تھی۔ ہر طرح سے دولت کمانا ان کا مقصد تھا۔ چوری ڈاکہ اور کمزوروں کی جائیدادیں چھین لینے میں ان کی بڑائی تھی۔ آخرت میں جواب دہی کا انہیں کوئی احساس نہیں تھا۔ نماز' روزہ اور اسلامی شعار پر عمل کرنے والے لوگ ان کے نزدیک بزدل اور بے توقیر تھے۔ اسلامی تعلیمات پر ان کا نہ یقین تھا نہ عمل' بلکہ دین پر چلنے والوں کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے پیارے لوگ وہ نہیں ہیں جو جسمانی اور مالی اعتبار سے تو مستحکم ہیں مگر ان کے کردار میں نہ خدا پرستی ہے اور نہ تقویٰ۔ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ محبت کرتا ہے اسے دنیا سے بچاتا ہے کہ دنیا سراسر دھوکہ ہے۔ حضرت رافع بن خدیج ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتے ہیں تو اس کو دنیا سے اس طرح بچاتے ہیں جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنے مریض کو پانی سے بچاتا ہے۔'' (طبرانی' مجمع الزوائد)

اسلامی تاریخ میں ہمیں ایسے پاک باز صاحب حیثیت لوگ ملتے ہیں جو اگرچہ حکمران تھے' مگر ان کی سادہ زندگی مثالی تھی۔ خود رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں نہ صرف سادگی بلکہ مسکینی کا نقشہ نظر آتا ہے' چنانچہ آپ ﷺ کے اُسوہ کو پسند کرنے والوں کی بھی یہی چاہت تھی۔ حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

((اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنَ))

''اے اللہ! مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھیے' مسکینی کی حالت میں دنیا سے اٹھائیے اور میرا حشر مسکینوں کی جماعت میں فرمائیے۔'' (مستدرک حاکم)

دُنیوی زندگی میں غربت یا معذوری کی وجہ سے جسے حقیر سمجھا جاتا ہے کچھ پتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو وہ صابر کس قدر پسند ہے۔ حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''بہت سے پراگندہ بال' گرد آلود' پرانی چادروں والے' لوگوں کے دروازوں سے ہٹائے جانے والے اگر اللہ تعالیٰ (کے بھروسہ) پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو ضرور پورا فرمادیں۔'' (طبرانی' مجمع الزوائد) اس حالت کے لوگوں کو حقیر جانا جاتا ہے حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا کی وجاہت اور دولت سے دُور رکھے گئے ہیں اور جان چکے ہیں کہ ''دنیا مردار ہے اور اس کے چاہنے والے کُتّے ہیں''۔ ظاہر ہے اس سے وہ لوگ مراد نہیں ہیں جو جائز ذرائع سے مال کماتے ہیں اور خدا خوفی کی زندگی کے ساتھ اپنا مال بے دریغ ضرورت مندوں پر خرچ کرتے ہیں۔ یعنی بے کسوں اور ناداروں کی مدد کرنے والے بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہوجاتے ہیں۔

دنیا میں مصائب' صدمات اور پریشانیاں مؤمن کے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری ؓ اور حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مسلمان جب بھی کسی تھکاوٹ' بیماری' فکر' رنج وملال' تکلیف اور غم سے دوچار ہوتا ہے' یہاں تک کہ اسے کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں۔'' (بخاری)

مخلوق اللہ کا کنبہ ہے' اور اشرف المخلوقات انسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنے

احکام کی فرمانبرداری کے لیے پیدا کیا ہے تاکہ انہیں آخرت کی کامیابی عطا کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی خطاؤں کو معاف کرنا پسند کرتا ہے اور انہیں ایسے مواقع فراہم کرتا ہے جو ان کی نجات کا سبب بن سکیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک شخص کے لیے ایک بلند درجہ مقرر ہوتا ہے (لیکن) وہ اپنے عمل کے ذریعے اس درجہ تک نہیں پہنچ پاتا تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسی چیزوں (مثلاً بیماریوں' پریشانیوں) میں مبتلا کرتے رہتے ہیں جو اسے ناگوار ہوتی ہیں' یہاں تک کہ وہ ان ناگواریوں کے ذریعے اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔'' (ابویعلیٰ' مجمع الزوائد)

اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے۔ وہ شرک کے سوا ایک مسلمان کے تمام گناہوں کو بخش دے گا اگر وہ چاہے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندے پر ایسے حالات طاری کرتا رہتا ہے جو اُس کے گناہوں کی مغفرت کا سبب بن جاتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ایمان والا بندہ اور ایمان والی بندی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصائب اور حوادث آتے رہتے ہیں' کبھی اس کی جان پر' کبھی اس کی اولاد پر' کبھی اس کے مال پر (اور اس کے نتیجہ میں اس کے گناہ جھڑتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ وہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرتا ہے کہ اس کا ایک گناہ بھی باقی نہیں رہتا۔'' (ترمذی)

مصائب وآلام پر اجر کی نوید احادیث میں کثرت کے ساتھ ملتی ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کا بچہ انتقال کر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ روح قبض کرنے والے فرشتے سے فرماتا ہے: تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کی؟ وہ عرض کرتے ہیں: جی ہاں! پھر فرماتا ہے: تم نے اس کے دل کا پھل اس سے لے لیا؟ وہ عرض کرتے ہیں: جی ہاں! پھر فرماتا ہے: اس بندے نے اس حادثے پر کیا کہا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اس بندے نے آپ کی حمد بیان کی اور آپ کا شکر کیا اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اس کے لیے جنت میں ایک عالیشان گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔'' (مسند احمد' جامع ترمذی)

مصیبت زدہ اور گرے پڑے مؤمن اپنی بدحالی کے سبب نفرت کے قائل نہیں بلکہ ہمدردی کے مستحق ہیں۔ حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہیں تمہارے کمزوروں اور بے کسوں ہی کی برکت سے مدد دی جاتی ہے اور تمہیں روزی دی جاتی ہے''۔ (بخاری)

(باقی صفحہ 84 پر)

’’تُو‘‘ ہر جگہ موجود ہے!

موبائل فوبیا کے ضمن میں لکھی گئی ایک تحریر

بیگم ڈاکٹر عبدالخالق

’’تو ہر جگہ موجود ہے!‘‘ میں یہ بات اللہ عزوجل کے بارے میں نہیں بلکہ موبائل کے بارے میں کر رہی ہوں۔ سود کے دھوئیں کے مانند آج موبائل‘ لیپ ٹاپ‘ ٹیبلٹ وغیرہ کے غلط اثرات ہمارے گھروں بلکہ حواسوں پر چھائے ہوئے ہیں۔ ہمارے بڑے‘ بوڑھے‘ جوان‘ مرد‘ عورتیں خصوصاً نوجوان لڑکیاں اس کے نشے میں اس طرح گرفتار ہو چکی ہیں کہ کوئی نصیحت‘ کوئی وارننگ‘ کوئی رشتہ داری ان کو موبائل کے بے جا استعمال سے روک نہیں سکتی۔ (الا ماشاء اللہ!)

عام لوگوں سے ہٹ کر بالخصوص وہ لوگ بھی جو خود کو نیک‘ دین دار اور کسی نہ کسی دینی جماعت سے منسلک ٹھہراتے ہیں‘ موبائل کے استعمال میں پوری طرح منہمک ہیں۔ ایک طرف تبلیغ دین کے کام بھی سرانجام دے رہے ہوتے ہیں اور بظاہر اپنے حلیوں سے اور داڑھیاں رکھ کر (اور خواتین پردہ کر کے) نیک شمار ہوتے ہیں اور یہ کام کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ہم سُنّتِ رسول ﷺ پر عمل کر رہے ہیں۔ جیسا کہ والد محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ فرمایا کرتے تھے کہ چھوٹی سنتوں میں سب سے بڑی سنت داڑھی کا رکھنا ہے۔ اسی طرح چھوٹی چھوٹی سنتوں میں کھانے پینے کے آداب کو ملحوظِ خاطر رکھنا‘ سونے جاگنے‘ گھروں میں آنے جانے‘ محفل نشست و برخاست کا اہتمام کر لینا یا نوافل عبادات‘ تسبیحات‘ تہجّد وغیرہ کا اہتمام کرنا‘ بلکہ مزید آگے بڑھ کے عزیمتوں پر عمل کی ترغیب و تشویق دینا یہ سب ہماری تحریکی سرگرمیوں کا حصہ ہیں۔ البتہ فرائض اور احکاماتِ قرآنی کی اہمیت یعنی ’’یہ کرو اور یہ نہ کرو!‘‘ مندرجہ بالا نوافل اور چھوٹی چھوٹی سنتوں سے کہیں زیادہ ہے۔ لیکن جب سے الیکٹرونک میڈیا میں سے یہ آلات ہمارے گھروں میں در آئے ہیں تو معاملات بہت حد تک خراب ہو گئے ہیں۔ پہلے تو صرف ٹی وی ہوا کرتا تھا اور حدیث کے مطابق ہر گھر میں ایک ناچنے والی موجود ہوتی تھی‘ لیکن آج

محسوس ہوتا ہے کہ ٹی وی کی قباحت اس لحاظ سے کم تھی کہ گھر میں ایک جگہ یعنی زیادہ تر ٹی وی لاؤنج میں ٹی وی رکھا جاتا تھا جہاں گھر کے سارے افراد مل کر ٹی وی دیکھتے تھے۔ یقیناً کچھ شرم و حیا تھی کہ فلاں پروگرام گھر کے تمام افراد کے ساتھ دیکھنا ناممکن ہے لہٰذا جو کچھ تھا سامنے تھا۔ اور دوسری بات یہ تھی کہ زیادہ تر شام کے اوقات میں ہی ٹی وی دیکھا جاتا تھا‘ جبکہ بقیہ ٹائم میں برکت تھی اور تمام روزمرہ کے کام یکسوئی اور محنت سے ہوتے تھے۔ پھر کچھ نہ کچھ عبادات کے لیے بھی ٹائم مل جاتا تھا۔ لیکن جب سے موبائل آیا ہے تو چھوٹی چھوٹی سنتیں‘ نوافل اور عزیمتیں تو بالکل ہی رخصت ہو چکی ہیں۔ موبائل شیطان کی طرح ہماری زندگی کے ہر گوشے میں دوڑ رہا ہے اور گناہ اور برائیوں کے علاوہ موبائل کی وجہ سے خاندانی نظام میں دراڑیں پڑ چکی ہیں۔ شرم و حیا بالکل رخصت ہو چکی ہے۔ کم از کم آنکھوں میں سے حیا نامی چیز کا جنازہ نکل چکا ہے۔ اب ناچنے والی گھر گھر ہونے کی بجائے ہر شخص کی جیب میں موجود ہے۔ غضِّ بصر کے حکم پر عمل نہ کرنے سے جہاں ہم کبیرہ گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں‘ وہیں حقیقی ایمان سے بھی محروم ہوتے جا رہے ہیں‘ کیونکہ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ نے فرمایا تھا:

((اِنَّ الْحَیَاءَ وَالْاِیْمَانَ قُرِنَاءُ جَمِیْعًا ، فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُھُمَا رُفِعَ الْآخَرُ))(۱)

’’حیا اور ایمان ایک ساتھ ہوتے ہیں جب ایک چیز ان دونوں میں سے اُٹھ جاتی ہے تو دوسری اُٹھا لی جاتی ہے۔‘‘

معاشرہ کی موجودہ صورت حال اس بات کی غماز ہے کہ ہم اندر سے کھوکھلے ہو چکے ہیں۔ ہماری مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اُس قول کا مصداق ہے کہ ’’تم لوگ چونا گارا لگی ہوئی قبروں کی مانند ہو‘‘۔ بہت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ موبائل کے استعمال کی کثرت سے ہم ذاتی طور پر زندہ لاشیں اور خاندانی نظام میں صرف ایک مشین یا روبوٹ بن کر رہ گئے ہیں۔ ہمارے اندر سے ہر قسم کے احساسات ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ ہماری ہر دلچسپی پر موبائل کی کشش غالب ہے۔ یہود و نصاریٰ ہمارے خاندانی نظام کو ختم کرنا چاہ رہے تھے جس میں وہ ابھی تک ناکام تھے‘ لیکن اب انہیں ہمارے خاندانی نظام کو درہم برہم کرنے میں کامیابی مل رہی ہے۔

ہمارے بچوں‘ بڑوں‘ مردوں‘ مبلّغین و مدرّسین نے ’فیس بک‘ پر غیر لڑکیوں کو like کیا ہوا ہے۔ اُن ہی کے ساتھ گفتگو اور اُن ہی کے مسائل کو سلجھانے میں اکثر و بیشتر ٹائم گزر جاتا ہے بلکہ ٹائم ضائع ہو جاتا ہے۔ وہ ٹائم جو اہلِ خانہ کو دینے کا ہوتا ہے وہ اُن رشتوں کے لیے ختم

(۱) رواہ الحاکم والبیھقی‘ عن ابن عمرؓ

ہو چکا ہے اور گھر والے ایک دوسرے کے ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے بات کرنے کو' معاملات سلجھانے کو محروم ہو چکے ہیں۔ شوہر اس شان سے گھر آتا ہے کہ ہاتھ میں موبائل ہے اور دھڑا دھڑ انگلیوں کی پوریں اس پر چل رہی ہیں۔ نظریں اور دماغ کُل کا کُل موبائل کی طرف ہوتا ہے جبکہ بچوں اور بیوی کو نظر انداز کرتا ہوا گزر جاتا ہے۔ پہلے مرد گھروں میں آ کر سلام کرتے تھے' بیوی' بچوں اور والدین سے حال احوال پوچھتے تھے۔ نظروں میں اپنائیت اور محبت کا عنصر غالب ہوتا تھا۔ آج یہ دونوں نعمتیں گھروں سے نکل چکی ہیں۔ بچے معصومیت سے دیکھتے رہ جاتے ہیں کہ باپ گھر میں داخل تو ہوا ہے مگر کسی اور سے ہنستا اور باتیں کرتا ہوا۔ جبکہ بیوی یہ جان اور مان چکی ہے کہ موبائل کی شکل میں میری سوتن ہے جس کی طرف میرا شوہر ہمہ تن متوجہ ہے۔ خصوصاً رات کو بستر پر لیٹتے ہی موبائل ہاتھ میں آ جاتا ہے اور دو گھنٹے اس کے ساتھ لازمی گزارے جاتے ہیں۔ اسی طرح والدین اپنے بیٹے کی محبت کو ترس چکے ہیں۔ بیٹے صاحب گھر میں آ کر والدین کے سامنے پاؤں پسار کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ہاتھ میں موبائل تھامے اُسی کو دیکھ کر بیٹا ہنس رہا ہے' بول رہا ہے' میسیجنگ کر رہا ہے۔ ماں باپ کے سامنے گویا بیٹے کی شکل میں ایک بت بیٹھا ہے جو نہ والدین سے حال چال پوچھتا ہے اور نہ محبت و احترام بھری نگاہ سے والدین کو دیکھتا ہے۔

ان ظاہری رشتوں سے حقیقی اعراض کے علاوہ موبائل کی موجودگی میں عبادات میں بھی دل نہیں لگتا۔ خصوصاً پانچ وقتہ نماز بہت بھاری ہو چکی ہے۔ مسجدوں میں دل نہیں لگتا۔ خاموشی سے اذان سننے کی بے انتہا تاکید ہے' لیکن ہمیں یہ پانچ وقت اللہ کی طرف سے دیا ہوا توجہ سے میسج سننا اور اس کا جواب دینا بہت گراں گزرتا ہے۔ ہاں اذان کے دوران ہی کسی اور کی طرف سے میسج آ جائے تو جواب دینا لازم ہے۔ ہم موبائل کے سامنے ''فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِيْنَ'' بن کر رہ گئے ہیں۔ اپنے اپنے گریبانوں میں جھانکیں تو ہر جگہ موبائل کی تصویر نظر آئے گی: ''جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی''۔ کل دھیان اور گیان اس کے ساتھ متعلق ہے۔ وقت جیسی قیمتی متاع اور زندگی جیسی نایاب دولت کو ہم پانی کی طرح بہائے جا رہے ہیں اور بے مقصد زندگی گزارے جا رہے ہیں۔ ؎

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے　　عمر یونہی تمام ہوتی ہے

ہمارا بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ یہ آلات ہم نے خود ہی اپنے بچوں کے ہاتھوں میں تھمائے ہیں اور ہم بچوں کو اس کے بارے میں ہمیشہ لعن طعن ہی کر رہے ہوتے ہیں اور مسلسل ان کو یہی

کہہ رہے ہوتے ہیں کہ موبائل کا استعمال نہ کرو! پہلی بات تو یہ ہے کہ ایک چیز خود ان کے ہاتھوں میں دے کر ایسی نصیحت کرنا بہت مضحکہ خیز ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ جتنا ان آلات کو استعمال کرنے سے روکیں گے اتنا ہی یہ مرض بڑھتا جائے گا۔ اس لیے کہ برائی اور گناہ میں لذت تو ہوتی ہے' لہٰذا ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' کے مصداق ہم لاکھ کوشش کریں' ان آلات کے استعمال سے اپنے بچوں کو نفرت نہیں دلا سکتے۔ البتہ ہم ان آلات کے استعمال میں تبدیلی لا سکتے ہیں۔ ''اَلدُّنْيَا مَتَاعٌ'' کے مصداق چونکہ یہ آلات خصوصاً موبائل ہمارے روزمرہ کے کاموں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور فضول کاموں کے لیے بھی' تو ہم ان سے وہ کام لے سکتے ہیں جن سے دین کی مدد بھی ہو سکتی ہے اور دعوت و تبلیغ بھی۔

آج کا دور نظریاتی جنگ کا دور ہے' اس میں صحیح نظریات پیش کرنا ہمارا فرض ہے اور یہ کام کمپیوٹر' موبائل پر بڑے آرام سے ہو سکتا ہے۔ ہم یہ کام اپنے مردوں اور بچوں سے حکمت سے لے سکتے ہیں۔ ہمارے بچے ہم سے کہیں بہتر طریقے سے ان چیزوں کو استعمال کرنا جانتے ہیں۔ جیسے لوہے کو لوہا کاٹتا ہے ایسے ہی ان آلات کی برائیوں کا توڑ بھی یہی آلات بن سکتے ہیں۔ جماعت کی سطح پر دعوت و تبلیغ کے ضمن میں ایسی ذمہ داریاں لگا دی جائیں کہ ان آلات کے ذریعے اقامتِ دین کا کام بھی ہو جائے تاکہ وقت ضائع ہونے سے بچے اور زندگی بامقصد کاموں کی طرف لگے۔ اسلامی تاریخ' یعنی انبیاء و رسل علیہم السلام کی زندگی کے حالات' سیرت النبی ﷺ' خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم' اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن اور ان کے بعد صالحینِ اُمت کے واقعات اور قرآن پاک کی ان آیات کی مختصر تشریح جو احکامات اور ایمان بالآخرت سے متعلق ہیں' یا بالعموم قرآنی تعلیمات کو 'Net' پر چڑھانے کا کام انتہائی اہم سمجھتے ہوئے شروع کریں۔ یا جماعت کے ذمہ دار لوگ ان آلات کے ذریعے جو بھی دعوت و تبلیغ کا کام کرنا چاہیں' تو کریں اور یہ یاد رکھیں کہ ان آلات سے ایسے کام لینا دین کے نقطہ نظر سے بہت ضروری ہے۔

یہود و نصاریٰ نے ان آلات کے غلط استعمال کو بچوں کے ذہنوں میں راسخ کرنے کے لیے دنیوی تعلیم میں کمپیوٹر کے استعمال کو لازم کر دیا ہے۔ وہ اس کے بغیر تعلیم اچھی حاصل کر ہی نہیں سکتے۔ پاکستان میں ان کے غلیظ ارادوں اور خاندانی نظام کی دھجیاں بکھیرنے کی تکمیل کے لیے میٹرک پاس ذہین طلبہ و طالبات کے ہاتھوں میں لیپ ٹاپ پکڑا دیے جاتے ہیں تاکہ بچوں کی دین و دنیا بھی برباد ہوں اور وہ ذاتی طور پر بھی رزائل اخلاق کا شکار ہو جائیں۔

لہٰذا بچوں کا اور خود اپنا بھی قبلہ درست کرنے کی ضرورت ہے۔ ان آلات کو ایمان بالآخرت کی آبیاری اور یقین کا ذریعہ بھی بنایا جاسکتا ہے۔ اگر انسانوں کو بھی اتنا کچھ سکھا دیا کہ موبائل وغیرہ پر پوری دنیا آپ کے سامنے آ گئی ہے‘ انگلی کی جنبش سے نقشے تبدیل ہو رہے ہیں‘ مناظر بدل رہے ہیں‘ کہانیاں بدل رہی ہیں۔ اور ’’chip‘‘ کی شکل میں ایسی کون سی چیز ہے جو تاروں کے بغیر بہترین نظام دے رہی ہے؟ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ دنیا میں بھی موبائل صرف ہمارے ہاتھوں میں نہیں ہے‘ بلکہ سیٹلائٹ کے ذریعے ہماری ساری گفتگو اور جگہ جگہ ہماری آمد و رفت سب کچھ یہ مادی خدا ریکارڈ کر رہے ہیں۔ وہ جب چاہیں ان آلات کو ہمارے خلاف استعمال کر سکتے ہیں۔ ہماری لاکھ وضاحتوں کے باوجود وہ اس کے ذریعے ہمارے خلاف گواہیاں اکٹھی کر کے دکھا سکتے ہیں۔ تو فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ! ہم دوطرفہ گرفت میں ہیں۔ ایک خالق کائنات کے ذریعے اور دوسرے دجال کے ایجنٹوں کے ذریعے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک ’’سم یا چپ‘‘ کو کسی حد تک سمجھا اور یقین کیا جاسکتا ہے کہ خود قرآن کے الفاظ مبارکہ ہیں: ﴿وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝۱۳ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝۱۴﴾ (بنی اسرائیل) ’’اور ہر انسان کی قسمت چپکا دی ہے ہم نے اس کی گردن میں۔ اور ہم نکال لیں گے اس کے لیے قیامت کے روز (اسے) ایک کتاب (کی شکل میں)‘ وہ پائے گا اسے کھلی ہوئی۔ (اُس سے کہا جائے گا) پڑھ لو اپنا اعمال نامہ! آج تم خود ہی اپنا حساب کر لینے کے لیے کافی ہو۔‘‘

خالق کائنات کی ریکارڈنگ کیسی زبردست ہے۔ ہمارا محاسبہ‘ ہماری پکڑ‘ ہماری نیتیں‘ خیالات‘ اعمال‘ افکار‘ کردار سب کچھ ریکارڈ ہو رہا ہے۔ قرآن فرماتا ہے کہ دو فرشتے مسلسل تادم آخر ہماری نگرانی پر مامور ہیں: ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۝۱۸﴾ (قٓ) ’’وہ کوئی لفظ بھی نہیں بولتا ہے مگر اُس کے پاس ایک مستعد نگران موجود ہوتا ہے‘‘۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝۲۸﴾ (الفتح) ’’اور اللہ کافی ہے بطور گواہ کے!‘‘ — ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۳۹﴾ (الاحزاب) ’’اور حساب لینے کو اللہ کافی ہے!‘‘ — ﴿هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۲۹﴾ (الجاثیۃ) ’’یہ ہمارا (تیار کردہ) اعمال نامہ ہے جو تمہارے اوپر حق کے ساتھ گواہی دے گا۔ جو کچھ تم کیا کرتے تھے ہم اسے لکھواتے جا رہے تھے۔‘‘

پھر ذرا ان الفاظ پر غور کریں: ﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝۳۶﴾ (بنی اسرائیل) ’’یقیناً سماعت‘ بصارت اور عقل سبھی کے بارے میں باز پرس کی جائے گی‘‘۔ سماعت‘ بصارت اور عقل و فکر والی ان آیات کا مفہوم شاید آج کے کمپیوٹر کے دور سے پہلے اتنا واضح نہ ہوا ہو۔ کافی غور و فکر اور ان آلات کا مشاہدہ کرنے کے بعد ایسا محسوس ہوا کہ ہمارے باقی تمام اعضاء کی نسبت یہ تین چیزیں ان آلات پر سب سے زیادہ کام کر رہی ہوتی ہیں۔ یعنی ہماری سماعت‘ بصارت اور عقل۔ کانوں سے سننا کہ کیا ہو رہا ہے۔ ہینڈ فری کے ذریعے صرف متعلقہ شخص ہی سن سکتا ہے‘ دُور بیٹھے انسان کو تو کچھ معلوم نہیں کہ کیا سن رہے ہیں۔ یہ بھی غیروں کی سازش ہے اور ہم بے وقوف وہاں سے آئی ہوئی ہر چمکتی ہوئی چیز کو سونا سمجھتے ہیں۔ آنکھیں پوری طرح منہمک ہوتی ہیں اور کچھ پتا نہیں کہ آس پاس کیا ہو رہا ہے۔ ہماری عقل پوری طرح ان دونوں اعضاء کے ذریعے نتائج اخذ کرنے پر لگی ہوئی ہے۔ المیہ یہ ہے کہ ان چیزوں کی مسئولیت سب سے زیادہ ہے۔ اور ہم اپنے گرد و نواح پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ لوگوں کی اکثریت ان تین چیزوں کے ذریعے اپنی آخرت کی مسئولیت کو بہت زیادہ مشکل بنا رہے ہیں۔ کیونکہ دن کا اکثر حصہ ان آلات کے استعمال میں صرف ہو جاتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ تمام طاغوتی چیزوں کا سردار ہی موبائل ہے اور دجال اکبر کی سم اور چپ‘ جس کو ہم مادی خدا بھی کہہ سکتے ہیں‘ کیونکہ دنیا و مافیہا میں ہی ہم دن رات لگے ہیں۔ گویا ایک آنکھ ہی ہمارے سامنے ہے‘ دوسری بالکل اوجھل۔ علامہ اقبال نے بھی ان دونوں چیزوں (سماعت‘ بصارت) کے بارے میں فرمایا ہے کہ ’’دیدن دگر آموز‘ شنیدن دگر آموز!‘‘ اس مادی آنکھ یعنی دنیا کے علاوہ ایک دوسری آنکھ یعنی آخرت کا تعارف بھی ضروری ہے۔

اس موبائل کی طرح ہی وائرلیس ایک ایسی چیز ہے جو ہمیں دوسری آنکھ اور دوسری سماعت‘ اور عقل و فکر کی دعوت دیتی ہے۔ موبائل تو آج وجود میں آئے ہیں‘ وہ ’’وائرلیس‘‘ آج سے چودہ سو سال پہلے وجود میں آ چکی ہے جس کے ذریعے دوسرا جہان دیکھا جاسکتا ہے۔ اُس جہان کو دیکھ کر ہنسا اور رویا جاسکتا ہے‘ خوشی بھی حاصل ہو سکتی ہے‘ بے بہا انعامات بھی مل سکتے ہیں اور غمی‘ اندھیرے اور سزائیں‘ چیخنا چلانا بھی سنا جاسکتا ہے۔ اپنی سماعت‘ بصارت اور عقل کو اُس وائرلیس آلے کے ساتھ جوڑ دیں تو اس کا ایک سرا ہمارے ہاتھ میں اور دوسرا سرا اس کو بنانے والے کے ہاتھ میں موجود پائیں گے اور اپنے گریبان میں جھانک کر اپنی ظاہری اور

باطنی اصلاح کرسکیں گے۔ خالق کائنات کے عطا کیے ہوئے اس آلے کے ذریعے ہی دنیا اور دنیا کی تمام چیزیں ہمیں حقیر معلوم ہوں گی۔ موبائل کی طرح اگر دن رات کے اوقات میں اُس سے تعلق جوڑ لیں تو یہ ہمیں کبھی گمراہ نہیں ہونے دے گا۔ یہ ہمارا ساتھی اور دوست بنے گا' اس دنیا میں بھی' قبر میں بھی' عالم برزخ میں بھی' میدانِ حشر میں بھی اور ہمارے حق میں اللہ پاک سے سفارش بھی کرے گا اور حقیقی دنیا میں ہمیں کامیابی بھی دلائے گا۔ یقیناً سب جان چکے ہوں گے کہ یہ وائرلیس آلہ قرآن پاک ہے۔ موبائل مجھے اور آپ کو دنیا اور اُس کے حالات و واقعات دکھاتا ہے تو قرآن پاک ہمیں اصل تصویر آخرت کی اور اُس کے حالات و واقعات دکھاتا ہے اور اس مادی اور فانی دنیا میں جینے کا ڈھنگ بھی سکھاتا ہے۔ کاش ہماری نسلیں اس قرآن کے ساتھ اپنا تعلق جوڑ لیں اور ان مادی آلات کے حصار سے زیادہ سے زیادہ بچنے کی کوشش کریں' تاکہ جہاں ہم نے ہمیشگی کی زندگی گزارنی ہے اُسے قرآن پر عمل کے ذریعے کامیاب بنائیں۔

میں اپنی ناقص عقل کا اعتراف کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی جماعت کے ذمہ داران کو ایک مشورہ دینا چاہوں گی کہ ایک محاسبہ رپورٹ صرف ان آلات کے استعمال پر بنائی جائے جس کو پر کرنا لازم ہو' تاکہ اس آلہ کو دجالی آلہ بننے کی بجائے قیامت کے دن اپنے حق میں گواہیوں کا ذریعہ بنائیں۔ اس ضمن میں ایک رپورٹ کا خاکہ پیشِ خدمت ہے۔ مناسب ہوگا کہ تحریری محاسبے کی بجائے ہر ماہ مقامی سطح کے اجتماع میں انفرادی محاسبہ بذریعہ گفتگو ہو اور مندرجہ ذیل چیزوں کی طرف خصوصی توجہ دی جائے۔ نیز خواتین کی سطح پر بھی یہ کام ہو تاکہ نوجوان لڑکیاں موبائل کے غلط استعمال سے باز رہیں۔

(۱) اذان اور نماز کے اوقات میں' شعوری طور پر موبائل کے استعمال سے بچنا (کہ ہمارے ہاتھوں میں بھی نہ ہو۔)

(۲) ان آلات کے ذریعے دعوت و تبلیغ میں مصروف رہنا اور موبائل کے غلط استعمال سے بچنا۔ (کچھ ایسا سسٹم بنائیں کہ دن کا کچھ نہ کچھ حصہ ان آلات کے ذریعے خالصتاً دین کے کاموں میں مصروف رہیں۔)

(۳) اہلِ خانہ (والدین' اولاد' بیوی) کے درمیان ہوتے ہوئے موبائل کو ایک طرف رکھ دینا (اور گھروں میں رہتے ہوئے موبائل کو صرف فون کے طور پر استعمال کرنا یا بہت ضروری

پیغام رسانی کے لیے)

حَاسِبُوْا اَنْفُسَكُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا محاسبہ رپورٹ (موبائل کے ضمن میں)

(۱) اذان سنتے ہوئے موبائل بند کیا کہ نہیں؟ —— یعنی اذان سننے کو ترجیح دی یا موبائل پر مصروف رہنے کو؟..... مسجد میں جا کر نماز پڑھنے کو ترجیح دی یا موبائل پر مصروف رہنے کی وجہ سے گھر میں نماز ادا کی؟

(۲) اقامتِ دین کی جدّوجُہد میں کتنا مصروف رہے؟ گھنٹے بتائیں۔

موبائل پر صرف اپنی ذاتی سرگرمیوں (یعنی گیمز' بلاوجہ SMS' اور دوسری لغویات وغیرہ) میں کتنا مصروف رہے؟ گھنٹے بتائیں۔

(۳) اہلِ خانہ (والدین' اولاد' بیوی' اور دوسرے اعزہ واقارب) کو کتنا ٹائم دیا؟

یا ترجیحات میں موبائل وغیرہ جیسی ایک بے جان چیز کا استعمال زیادہ کیا؟

(۴) (موبائل کو ایک طرف رکھ کے) والدین اور بیوی کو خصوصاً رات کے وقت کتنا ٹائم دیا؟

❁❁❁

بقیہ: مصائب و آلام کی حقیقت

المختصر' یہ دنیا عیش کرنے کی جگہ نہیں' بلکہ یہ حقیقی زندگی کی تیاری کا وقفہ ہے جو پھولوں کی سیج نہیں' بلکہ کانٹوں کا بستر ہے۔ جو دنیا کی زیب و زینت پر فدا ہو کر رہ گیا اور زندگی کا مقصد فراموش کر بیٹھا' ایسا شخص دنیا میں تو اپنی مرضی کی زندگی بسر کر لے گا مگر آخرت میں ناکام ٹھہرے گا اور سزا پائے گا۔ اسی طرح جو شخص دنیا کی دلکشی سے متاثر نہ ہوا بلکہ ہر حال میں اللہ کی رضا پر خوش رہا' اپنے ہر طرح کے حالات میں اللہ کا شکرگزار اور صابر بندہ بنا رہا وہ ناختم ہونے والی اس زندگی میں عیش کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں والی جنت میں رہے گا' جس کا وعدہ قرآن مجید میں بار بار کیا گیا ہے۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْھُمْ —— آمین!! ❁❁❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت و تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے افکار اور تنظیمِ فکرِ ولی اللّٰہی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ

شکیل عثمانی

مندرجہ بالا عنوان کے تحت ممتاز عالم دین مفتی محمد رضوان صاحب کی تالیف ادارۂ غفران' چاہ سلطان' گلی نمبر ۱۷ راولپنڈی (فون: 051-5507270) نے شائع کی ہے۔ کتاب ۴۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ مجلد ہے اور اعلیٰ کاغذ پر طبع ہوئی ہے۔ کتاب پر قیمت درج نہیں ہے۔

مولانا عبیداللہ سندھی (م ۱۹۴۴ء) تحریک استخلاصِ وطن کے ایک رہنما اور شاہ ولی اللہؒ کی فکر کے علمبردار اور شارح کی حیثیت سے متعارف ہیں۔ وہ ۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء کو سیالکوٹ کے ایک سکھ خاندان میں پیدا ہوئے۔ سولہ برس کی عمر میں اسلام قبول کیا' گھر بار چھوڑا اور ایک مسلمان دوست کے ہمراہ سندھ کے صوفی بزرگ حافظ محمد صدیق بھرچونڈی والے کی خدمت میں پہنچے جنہوں نے نوجوان عبیداللہ کے قبولِ اسلام پر اس کی ہمت افزائی کی اور سرپرستی فرمائی۔ نوجوان عبیداللہ ان کے حسنِ سلوک سے اتنا متاثر ہوا کہ سندھی زبان سیکھنے کے ساتھ ساتھ لفظ سندھی کو اپنے نام کا مستقل جزو بنالیا۔ اس کے بعد وہ نوجوان دینی تعلیم کے حصول کے لیے دارالعلوم دیوبند پہنچا جہاں اس نے شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے دینی علوم کی تکمیل کی اور اپنی محنت اور ذہانت کے سبب ان کا معتمد قرار پایا۔

پہلی جنگ عظیم شروع ہونے کے بعد مولانا سندھی حضرت شیخ الہند کی ہدایت پر کابل چلے گئے۔ ان کا مشن امیر افغانستان حبیب اللہ خاں کو ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کرنا تھا۔ حضرت شیخ الہند کی اسکیم یہ تھی کہ ہندوستان پر افغان حملے کے دوران ایک طرف تو صوبہ سرحد کے آزاد قبائل کا لشکر مولانا فضل واحد المعروف بہ حاجی صاحب ترنگ زئی کی قیادت میں انگریزی علاقے پر چڑھائی کر دے اور دوسری طرف ہندوستان کے مسلمان انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ مولانا سندھی کو کابل بھیجنے کے بعد اس اسکیم کی عملی تائید

کے حصول کے لیے حضرت شیخ الہندؒ حجاز روانہ ہوگئے' جہاں انہوں نے ترک گورنر غالب پاشا سے مکہ مکرمہ میں ملاقات کی۔ ملاقات کا نتیجہ مثبت رہا اور انہیں ایک خط (جو ''غالب نامہ'' کے نام سے مشہور ہے) دیا گیا جس میں مسلمانانِ ہند کو خطاب کرتے ہوئے حضرت شیخ الہند پر اعتماد کا اظہار کیا گیا تھا اور مدد کی یقین دہانی کرائی گئی تھی۔ حضرت شیخ الہند نے ''غالب نامہ'' کی نقول اپنے ایک معتمد کے ذریعے ہندوستان بھجوائیں اور خود بحری جہاز سے روانہ ہوکر مکران ہوتے ہوئے صوبہ سرحد کے آزاد قبائل میں جانے کا پروگرام بنایا' لیکن شریف حسین (والیٔ مکہ) کی ترک حکومت کے خلاف بغاوت کی وجہ سے حجاز کی صورت حال یک لخت بدل گئی اور حضرت شیخ الہند کو گرفتار کر کے مالٹا بھیج دیا گیا۔

دوسری طرف حضرت شیخ الہند اور مولانا سندھی کو یہ علم نہیں تھا کہ ''اعلیٰ حضرت'' امیر حبیب اللہ خاں درپردہ انگریزوں سے ملے ہوئے ہیں۔ اس طرح مولانا سندھی کا افغانستان کا مشن ناکام رہا۔ پھر وقت کا بدلتا ہوا دھارا انہیں لینن کے سوویت یونین' مصطفیٰ کمال کے ترکی اور نجدیوں کے حجاز لے گیا۔ واضح رہے کہ ۱۹۱۵ء میں وطن سے روانہ ہونے کے بعد مولانا سندھی افغانستان میں سات سال' سوویت یونین میں سات ماہ' ترکی میں تین سال اور حجاز میں تقریباً تیرہ سال مقیم رہے۔ اس جلاوطنی میں انہوں نے خاصا مشکل وقت گزارا اور تقریباً ہر جگہ ان کو ناسازگار حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس دوران وہ تحریک اتحادِ عالمِ اسلام (پان اسلام ازم) کی ناکامی اور مسلمانوں بالخصوص ہندی مسلمانوں کے زوال کے اسباب پر غور کرتے رہے اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچے کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں ہندوستان کی تعمیرِ نو کی جاسکتی ہے۔

۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے تحت ہندوستان کے مختلف صوبوں میں انتخابات کے بعد کانگریسی حکومتیں قائم ہوئیں۔ حکومت سندھ کی ضمانت پر انگریزوں نے مولانا سندھی کو اس شرط پر وطن واپس آنے کی اجازت دے دی کہ وہ پرامن طور پر اپنی سیاسی سرگرمیاں جاری رکھیں گے۔ اس طرح مولانا چوبیس سال کی جلاوطنی کے بعد مارچ ۱۹۳۹ء میں کراچی پہنچے۔ وطن واپسی کے بعد وہ پانچ سال زندہ رہے۔ یہ ان کی علمی اور عملی سرگرمیوں کا دورِ عروج تھا۔ اس دوران میں انہوں نے مختلف اجتماعات سے خطاب کیا' دروسِ قرآن دیئے' کتابیں لکھیں اور املا کرائیں اور شاہ ولی اللہ کی فکر کی اس تعبیر کو پیش کیا جو ان کے برسوں کے مطالعے اور مشاہدے کا

حاصل تھی۔ مولانا ۲۲/اگست ۱۹۴۴ء کو ۷۲ برس کی عمر پا کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انہوں نے اپنے مقصد کے لیے بے مثال قربانیاں دیں۔ راقم کی رائے میں مولانا سندھیؒ اپنے مقصد (cause) کے لیے جس وارفتگی (devotion) سے سرگرم عمل رہے اس کی درخشندہ مثالیں امام ابن تیمیہؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ ہیں۔

ہندوستان میں آمد کے بعد مولانا سندھیؒ نے اپنے خطابات' ملفوظات اور تحریروں میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی فکر کی جو تعبیر پیش کی اسے مولانا سید سلیمان ندوی' مولانا مسعود عالم ندوی' مولانا مناظر احسن گیلانی' مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا عبدالماجد دریابادی (رحمہم اللہ) نے قرآن وسنت کی بنیادی تعلیمات سے متصادم قرار دیا۔ ان علماء نے لکھا کہ مولانا سندھی نے شاہ ولی اللہ کے افکار کی درست ترجمانی نہیں کی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا حسین احمد مدنیؒ نے بھی اپنے ایک مضمون میں مولانا سندھی کی شخصی خوبیوں اور قربانیوں کا اعتراف کرنے کے بعد ان کے دینی افکار سے اپنی براءت کا اظہار کیا۔ انہوں نے لکھا کہ مسلسل ناکامیوں اور مصائب عظیمہ لامتناہیہ کے سبب مولانا عبیداللہ سندھی دماغی توازن کھو بیٹھے اور مولانا سندھی کی کسی تحریر کو دیکھ کر اس وقت تک اس پر کوئی حتمی رائے قائم نہ کی جائے جب تک اس کو اصول اور مسلمات اسلامیہ' ضروریاتِ دین اور عقائد واعمالِ اہل سنت والجماعت کے زریں قواعد تالیف پر پرکھ نہ لیا جائے۔ (سہ روزہ ''مدینہ'' بجنور' ۱۷ مارچ ۱۹۴۵ء)۔ طبقۂ علماء میں صرف مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ نے مولانا سندھی کے افکار کا دفاع کیا۔

مولانا سندھی کے افکار کے سلسلے میں سب سے زیادہ اختلافی کتاب ان کے شاگرد پروفیسر محمد سرور کی ''مولانا عبیداللہ سندھی: حالاتِ زندگی' تعلیمات اور سیاسی افکار'' ہے۔ یہ کتاب مولانا کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ یہ مولانا کی زندگی میں ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی اور انہوں نے اسے اپنایا۔ (ملاحظہ ہو مولانا احمد علی لاہوریؒ کے صاحبزادے مولانا عبیداللہ انورؒ کا مضمون جو ''افادات وملفوظاتِ امام عبیداللہ سندھی'' مرتبہ پروفیسر محمد سرور کے آخر میں صفحات کا نمبر دیے بغیر درج کیا گیا ہے)۔ کتاب کے اختلافی ہونے کے حوالے سے صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے:

''[پروفیسر محمد سرور کے] اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ آخر یہ کیسے پتا چلے کہ اصل ہدایت کہاں ہے اور حق کہاں ہے' مولانا سندھی نے فرمایا: ان الجھنوں سے نکلنے کا

صرف ایک ہی حل ہے اور وہ یہ کہ مذاہب اور آراء کے ان اختلافات کو ایک طرف رکھو اور عام انسانیت کی تاریخ کا مطالعہ کرو اور پھر پتا لگاؤ کہ آخر مجموعی انسانیت کا طبعی تقاضا کیا ہے۔ انسان کن باتوں سے قعرِ تنزل میں گرے اور کون سے اصول تھے جن پر چل کر وہ بامِ رفعت پر پہنچے۔ اس تلاش وتفحص کے بعد انسانوں کی اس طول وطویل تاریخ میں جو اصول سب قوموں میں آپ کو مشترک نظر آئیں گے وہ ''فطرۃ اللہ'' ہے اور یہی ''الدین القیم'' ہے' اور جو تعلیم مجموعی انسانیت کی فطرت کے مطابق ہوگی وہی حق ہے''۔ (ص ۵۰۔۵۱ تیسرا ایڈیشن)

مولانا کے ارشاد پر ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر ہم تاریخ انسانیت کے مطالعے سے خود سچائی (حق) تک پہنچ سکتے ہیں اور قوانینِ عروج وزوال مستنبط کر سکتے ہیں تو نبی کس لیے آتے رہے؟ کیا فلاسفہ ومفکرین ہی اس کام کے لیے کافی نہ تھے؟ پھر کون سا انسان ایسا ہے جو تاریخ انسانیت کا مطالعہ کرتے وقت خواہشات' جذبات اور تعصّبات سے ماورا ہو جائے؟

زیر نظر کتاب میں مفتی محمد رضوان صاحب نے اہلِ علم کی ان تحریروں کو بڑے سلیقے سے مرتب کر دیا ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وطن واپسی کے بعد مولانا سندھی نے جن افکار و خیالات کا اظہار کیا وہ قرآن وسنت کی بنیادی تعلیمات سے متصادم ہیں۔ ان تحریروں میں بعض نایاب تحریریں بھی شامل ہیں۔ مفتی صاحب نے بعض مضامین پر عنوانات' ذیلی عنوانات اور تمہیدی نوٹ بھی دیے ہیں جن سے ان کی معنویت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ کتاب کے چند مضامین کے عنوانات ملاحظہ ہوں:

(۱) مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور تفسیر بالرائے' از مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۲) مولانا عبیداللہ سندھی کے افکار کی شرعی حیثیت' از مولانا حسین احمد مدنیؒ

(۳) مولانا احمد علیؒ لاہوری کا مولانا سندھیؒ سے اختلاف کے بارے میں مکتوب

(۴) مولانا سندھی کے افکار کا تحقیقی جائزہ' از مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

(۵) ''طلوعِ اسلام'' مولانا سندھی اور شاہ ولی اللہ رحمہما اللہ از مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

(۶) مولانا سندھی کے افکار وخیالات' از مولانا سید سلیمان ندویؒ

(۷) ''مولانا عبیداللہ سندھی'' مصنفہ پروفیسر محمد سرور کا ایک ناقدانہ جائزہ' از مولانا مسعود عالم ندوی

(۸) فکرِ مولانا سندھی‘ از مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

(۹) ’’مولانا عبیداللہ سندھی کے علوم وافکار‘‘ پر نقد وتبصرہ‘ از مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

(۱۰) تنظیمِ فکرِ ولی اللّٰہی اور مولانا سندھی‘ از مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد

(۱۱) مولانا سندھی: ایک قابلِ تحقیق شخصیت‘ از مولانا ابن الحسن عباسی

(۱۲) مولانا سندھی کی فکر کے مضمرات‘ از حافظ موسیٰ بھٹو

کتاب کا ایک حصہ مولانا سندھی کی فکر پر قائم ’’تنظیم فکر ولی اللّٰہی‘‘ کے لیے مختص ہے۔ اس تنظیم کے رہنما اور ارکان جمعیت علماء اسلام اور جمعیت طلبہ اسلام (مفتی محمود گروپ) میں شامل تھے جو اسی کی دہائی میں بعض اختلافات کے سبب جمعیت سے الگ ہوگئے۔ اس کے بانی اور اوّلین سرپرست مولانا سعید احمد رائے پوری مرحوم تھے۔ آج کل اس کے سرپرست اور صدر بالترتیب مولانا مفتی عبدالقادر آزاد رائے پوری اور مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعوان ہیں۔

تنظیم فکر ولی اللّٰہی شاہ ولی اللہ کی تعلیمات کی اس تعبیر کو درست سمجھتی ہے‘ جو مولانا عبیداللہ سندھی نے کی ہے۔ اس کے علاوہ تنظیم کے موجودہ سرپرست مولانا مفتی عبدالقادر آزاد اور موجودہ صدر مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعوان نے مولانا سندھی سے منسوب املائی تفسیر ’’المقام المحمود‘‘ پر تقاریظ بھی لکھی ہیں‘ حالانکہ اس تفسیر میں قرآن وسنت اور جمہور علمائے اُمت کے نقطہ نظر سے متصادم نظریات موجود ہیں‘ مثلاً نجات کے لیے صرف توحید اور آخرت پر ایمان اور عمل صالح کافی ہے‘ انکارِ حیاتِ مسیحؑ اور نیچریت (بعض معجزات کا انکار)۔ تنظیم فکر ولی اللّٰہی کے بعض ذمہ داران اور ارکان یہ بھی کہتے ہیں کہ پروفیسر محمد سرور کی کتاب ’’افادات وملفوظاتِ مولانا عبیداللہ سندھی‘‘ تنظیم کے نصاب میں شامل نہیں ہے اس لیے اس کے مندرجات کی بنیاد پر تنظیم کے بارے میں کوئی رائے نہیں قائم کی جاسکتی۔ اس پر کوئی تبصرہ کرنے کے بجائے ہم تنظیم کے ترجمان مجلّہ ’’عزم‘‘ کا درج ذیل اقتباس پیش کرتے ہیں:

> ’’محمد سرور امام سندھی کے مخلص ترجمان تھے۔ خود مولانا سندھی نے اپنی زندگی میں ان کی لکھی گئی تحریرات پر مہر تصدیق ثبت کر دی تھی۔ آج کل بعض شرپسند لوگ ان کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کر کے درحقیقت امام سندھی کے فکر اور پروگرام سے نوجوانوں کو کاٹنا چاہتے ہیں۔‘‘ (عزم‘ ۱۹۲‘ ص ۱۳)

اور شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن کے چیئرمین لکھتے ہیں:

> ’’چنانچہ حضرت سندھیؒ نے یہ علوم وافکار بڑی جانفشانی سے نئی نسل کو گوش گزار کیے‘ جس کے نتیجے میں پاکستان میں پروفیسر محمد سرور مرحوم‘ شیخ بشیر احمد لدھیانوی مرحوم‘ مولانا مقبول عالم مرحوم اور حضرت مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی نے ان افکار پر ایک قابلِ قدر تحریری ذخیرہ بہم پہنچایا‘ جبکہ ان افکار پر خانقاہ عالیہ رائے پور کے صدر نشین حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ نوجوانوں کی فکری وعلمی تربیت میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ وہ وقت دور نہیں جب نوجوان نسل ان افکار کو حرزِ جاں بنالے گی۔‘‘ (ولی اللّٰہی نظامِ فکر کی عصری اہمیت‘ تنظیم فکر ولی اللّٰہی کیا ہے؟ ص ۲۸‘ ۲۹‘ ترتیب وتحقیق: مولانا عمر فاروق‘ مطبوعہ مکتبہ نقشبندیہ‘ طارق روڈ کراچی)

مندرجہ بالا اقتباسات کی روشنی میں تنظیم فکر ولی اللّٰہی کے مذکورہ افراد کی وضاحت بے بنیاد ہے۔ یہاں پروفیسر محمد سرور کی کتاب ’’افادات وملفوظات مولانا عبیداللہ سندھی‘‘ کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ جو باتیں پروفیسر صاحب نے اپنی ۱۹۴۳ء میں شائع ہونے والی کتاب ’’مولانا عبیداللہ سندھی: حالاتِ زندگی‘ تعلیمات اور سیاسی افکار‘‘ میں دبی زبان سے کی تھیں‘ انہیں ۱۹۷۲ء میں شائع ہونے والی اس کتاب میں کھول کر بیان کر دیا‘ اس طرح تاویل کے سارے پردے اُٹھ گئے۔ مذکورہ بالا حقائق کے پیش نظر پاکستان کے چند بڑے دینی مدارس اور دارالعلوم دیوبند کی جانب سے تنظیم فکر ولی اللّٰہی کے بارے میں فتاویٰ جاری کیے گئے جن میں کہا گیا کہ تنظیم کے عقائد ونظریات قرآن وسنت کے خلاف ہیں۔ ان مدارس میں جامعہ فاروقیہ کراچی‘ دارالعلوم کراچی‘ جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی‘ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اور دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی شامل ہیں۔ ان مدارس کے فتاویٰ کی روشنی میں پاکستان کے دینی مدارس کی نمائندہ تنظیم ’’وفاق المدارس العربیہ‘‘ نے ۴ ستمبر ۲۰۰۰ء کو تنظیم فکر ولی اللّٰہی سے وابستہ مدارس کا وفاق سے الحاق ختم کر دیا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کو سمجھنے اور اس کے اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

❁❁❁

میثاق‘ حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

حاجی عبدالواحد صاحبؒ کی یادداشتیں (۸)

مرتب: پروفیسر حافظ قاسم رضوان

☆

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اور اباجی

(گزشتہ سے پیوستہ)

روزوں کے بعد اباجی لکھنؤ اور دہلی چلے گئے۔ واپسی پر پھر رائے پور قیام ہوا۔ یہاں ان دنوں حضرت رائے پوریؒ کی مجالس میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظِ حسنہ پڑھے جا رہے تھے: تخلیہ اختیار کرنے سے پہلے نفس اور ذہن کا تخلیہ اختیار کیا جائے۔ بزرگوں کے قصّے اور تصوّف کے نکات بیان کرنے والے' پہلے اپنے نفس کی اصلاح کر! دُنیا اور دُنیا والوں سے (اپنی) نظر اٹھالے' ورنہ ان کو اپنا کارساز اور حاجت روا سمجھے گا اور (یوں) شرک کا مرتکب ہوگا۔ تکلیف میں فریاد کرنے والا اللہ کی مدد کھو دیتا ہے۔ وہ دراصل مخلوق کو اپنی جانب متوجّہ کر رہا ہے اور خالق کی کارسازی پر بھروسہ نہیں رکھتا۔ اللہ کا بندہ کوشش کے بعد (صرف) اللہ پر توکّل کرتا ہے۔ جو شخص اذان کی دعوت سن کر بھی نماز کی جانب نہیں آتا اور اللہ کا حکم ماننے سے انکار کر دیتا ہے' وہ گویا اللہ کے مقابلے میں تکبّر کرتا ہے اور جو شخص غریبوں پر ظلم کرتا ہے وہ بھی (گویا) ان کے مالک اور محافظ (حقیقی) کی پروا نہیں کرتا اور اللہ پر تکبر کرتا ہے۔ آدمی پر لازم ہے کہ ان (سب) حرکات کے نتیجے پر غور کرے اور اس کی پاداش سے بچنے کی کوشش کرے۔ گویا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی انگلی انسانی نبض پر ہے اور نفس کے خطرات کی پوری نشاندہی کرتے ہیں۔

اس دوران اباجی کسی ضرورت سے دوبارہ دہلی گئے۔ بعد میں حضرت رائے پوری

اپریل ۱۹۶۲ء کے بالکل آخر میں بذریعہ ٹرین لاہور کے لیے رخصت ہوئے۔ شروع مئی میں اباجی بھی انڈیا سے واپس آکر حضرت کی خدمت میں حاضری دیتے رہے۔ کئی دفعہ راقم بھی ان کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس دوران حضرت رائے پوریؒ علیل' نحیف اور لاغر تھے۔ اس لیے ملفوظات کی کوئی کتاب (زیادہ تر شیخ عبدالقادر جیلانی کی) ہی آپ کی مجلس میں پڑھی جاتی۔ حضرت کے بولنے کی نوبت بہت کم ہی آتی اور وہ مدھم آواز بھی بہت قریب ہو کر سمجھنی پڑتی۔ جولائی کے آخر کی ایک تحریر میں اباجی نے حضرت رائے پوریؒ کی حالت کا ذکر کیا ہے کہ آپ کی صحت بالکل ہی کمزور ہوگئی ہے۔ گلوکوز کے ٹیکے کے ساتھ ناک میں آکسیجن کی نلکی لگائی گئی ہے۔ لاہور کے مشہور ڈاکٹروں جیسے ڈاکٹر پیرزادہ' ڈاکٹر محمد اختر' کرنل ضیاء اللہ' کرنل محمد یوسف وغیرہ کی ٹیم پوری جانفشانی سے حضرت کے علاج میں مصروف تھی۔ پھیپھڑے میں بلغم جمع ہو جانے سے مسلسل بخار کی شکایت ہے۔ ۱۵/اگست کی ڈائری میں اباجی حضرت رائے پوریؒ کے بارے میں رقم طراز ہیں: کچھ عرصہ حضرت مدظلہ العالی کی چارپائی کے پاس بیٹھا۔ غنودگی کا غلبہ ہے یا استغراق ہے۔ آج ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ گردوں نے کام سے جواب دے دیا ہے۔ یہی وجہ غنودگی کی ہے۔ مگر کسی کرب یا درد یا بے چینی کا مطلق احساس نہیں ہوتا' نہ سانس میں اور نہ اعضاء کی حرکت میں۔ بس یونہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آرام سے سو رہے ہیں۔ آخری ایام اباجی حضرت رائے پوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کی چارپائی کے پاس سرنگوں ہو کر بیٹھے رہتے۔ حضرت کی قیام گاہ میں متعلّقین ہمہ وقت آیہ کریمہ' بخاری شریف کے ختم اور دعا میں مصروف رہتے۔

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی وفات کے حوالے سے اباجی کی ڈائری میں یوں تحریر ہے: بابو محمد بشیر صاحب نے بتایا کہ حضرت اقدس ساڑھے گیارہ بجے فوت ہوگئے' واصل بحق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ شمع ہدایت خاموش ہوئی۔ اس کا خطرہ تو حضرت کی مسلسل غنودگی سے کئی روز سے لاحق ہو رہا تھا۔ آخر تقدیر کی بات پوری ہوئی۔ پانچ بجے جنازہ اور میت کو ڈھڈھیاں لے جانے کا بھی بتایا۔ رشد و ہدایت اور ذکر و فکر کا وہ آفتاب جو شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی صورت میں اندازاً ۱۸۷۴-۷۳ء میں موضع ڈھڈھیاں (سرگودھا) میں طلوع ہوا تھا' آخر کار ۱۶/اگست ۱۹۶۲ء کی دوپہر کو لاہور میں غروب ہوگیا۔ عصر کی نماز کے بعد کوٹھی حاجی متین احمد' نزد شملہ پہاڑی (جہاں حضرت ٹھہرے ہوئے تھے) میں مولانا عبدالمنان نے نماز جنازہ پڑھائی۔ شام کو اباجی' راقم اور دیگر ہمراہی گاڑیوں میں جنازے کے

ساتھ روانہ ہوئے۔ راستے میں لائل پور (فیصل آباد) اور سرگودھا میں حضرت کی نمازِ جنازہ ہوئی۔ ۱۷/اگست کی سحری کو آخری بار ڈھڈھیاں (سرگودھا) میں حضرت رائے پوریؒ کی نمازِ جنازہ ہوئی اور صحن مسجد کے کونے میں سپردِ خاک کر کے آپ کی قبر مبارک تیار کی گئی۔ حضرت کی وفات کے بعد دو چار مرتبہ خصوصی خدام کا لاہور میں اجتماع ہوا کہ پرانا مرکز برقرار رکھ کر وہاں ذکر و فکر جاری رکھا جائے' مگر بوجوہاتِ مختلفہ یہ بات پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکی اور کسی دوسرے مقامی مرکز پر بھی اتفاق رائے نہ ہو سکا اور یوں مرکز مقرر کرنے کی تجویز دھری کی دھری رہ گئی۔

اباجی کی ڈائریوں کے علاوہ ایک اور اہم ماخذ (مجالس حضرت رائے پوریؒ' ملفوظات۔ جمع کردہ مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوری) سے بھی تقسیمِ ہند سے پہلے اباجی کی حضرت رائے پوری کی خدمت میں حاضری کا کچھ ریکارڈ ملتا ہے۔ جیسے ۲۵ نومبر ۱۹۴۶ء کو حضرت رائے پوری کی خدمت میں بستی نظام الدین دہلی میں (جہاں حضرت فی الوقت مقیم تھے) اباجی کی حاضری ہوئی۔ کوئٹہ کے ایک شخص نے اباجی کی معرفت حضرت کی خدمت میں ایک طویل خط اپنے حالات کے بارے میں لکھا تھا۔ حضرت رائے پوریؒ نے اباجی کو اس خط کے حوالے سے کچھ باتیں ارشاد فرمائیں اور متعلقہ آدمی کو آنے سے روکا۔ حضرت نے فرمایا کہ دعا حزب البحر ہو یا کوئی اور' اس کا ہر وقت قطعی طور پر قبول ہو جانا قطعاً لازم نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کے قبضے میں نہیں آ گئے کہ وہ انہیں حکم دے کہ یہ دعا لازمی طور پر قبول کرو اور یہ کام ہو جائے۔ پیغمبروں کو بھی یہ بات قطعی طور پر معلوم نہیں ہوا کرتی تھی کہ ان کی دعا قطعی طور پر قبول ہو جائے گی۔ ہاں اگر کسی دعا کی قبولیت کے بارے میں اطلاع مل گئی ہو تو اور بات ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے بندگی (عبادت) کے لیے پیدا کیا ہے اور دعا عبادت کا مغز ہے۔ یعنی اظہارِ عجز مقصود ہے۔ مولا کریم اس دعا کو قبول فرمائے یا نہ فرمائے' یہ اُس کی مرضی ہے (بندے کا کوئی زور نہیں)۔ اس ضمن میں حضرت رائے پوریؒ نے ایک پیر اور ان کے مرید کا واقعہ بیان کیا کہ ان کو الہام ہوا کہ خواہ کتنی بھی عبادت کرو' قبول نہیں۔ اس پر مرید نے عرض کیا کہ حضرت جب قبول ہی نہیں تو پھر اس عبادت کا کیا فائدہ؟ پیر نے جواب دیا کہ عبادت کرنا تو میرا فرض ہے' قبول کرانا میرے اختیار میں نہیں۔ اور کوئی (دوسرا) ایسا نہیں کہ جس کی عبادت کی جائے اور اس کے دروازے پر اظہارِ عجز و عبودیت کیا جائے۔ اس پر حکم (الٰہی) ہوا کہ تمہاری عبادت گزاری تمہارا کمال نہیں (مگر) اس لیے قبول کرتا ہوں کہ میرے سوا تیرے نزدیک اور کوئی جائے پناہ نہیں۔ اس پر بھی قبول نہ کروں تو (پھر) کیا۔ تو گویا ہماری دعا (مانگ) پوری کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں' چاہیں

تو قبول کریں اور چاہیں تو نہ قبول کریں۔ پھر دعا میں شرائط قبولیت کا مخفی طور پر معدوم ہونا بھی عدمِ قبولیت کا سبب بن سکتا ہے۔ (ان کوئٹہ والے صاحب کا یہی غلط عقیدہ ان کی ٹھوکر اور پریشانی کا سبب بنا۔) پھر یہ بھی ہے کہ ہر شخص کی استعداد مختلف ہوتی ہے اور استعداد کو ملحوظ رکھ کر پڑھنے کا بتانا ماہر شیخ (پیر) کا کام ہے۔ اگر اس کا لحاظ نہ رہے تو پھر نقصان ہو جاتا ہے۔

۱۹۴۸ء کا رمضان المبارک اباجی نے حضرت رائے پوری کی خدمت میں گزارا۔ رمضان کی شام کی مجالس میں سے ایک مجلس منعقدہ ۲۹ جولائی ۱۹۴۸ء کا ذکر ہے کہ کسی ضمن میں حضرتؒ نے یہ سوال کیا کہ آیا مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ زندہ ہیں یا فوت ہو گئے ہیں؟ تو اباجی نے وضاحت کی کہ تقسیم ہند کے بعد مولانا ثناء اللہ سرگودھا جا کر فالج کی وجہ سے فوت ہو گئے تھے۔ ان کا ثنائی برقی پریس امرتسر میں جلا دیا گیا تھا اور ان کا بیٹا بھی فسادات میں شہید ہو گیا تھا۔ سرگودھا کا برقی پریس حکومت پاکستان نے انہیں الاٹ کر دیا اور ان کے پوتے وہاں کام کرتے تھے—— رمضان المبارک کی ہی ایک مجلس کا ذکر ہے کہ اباجی حضرت رائے پوریؒ کی خدمت میں افریقہ کے جنگلوں اور وہاں کی آبادی کی حالت بیان کر رہے تھے کہ جنگلات کٹ جانے کی وجہ سے خاص قسم کی چلنے والی آندھیاں وہاں کے رہائشیوں کو پریشان کر رہی ہیں۔ گویا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نتائج و عواقب کا خیال کیے بغیر انتظامات میں اندھا دھند اقدامات کرنا اور اس سے پیدا ہونے والی دقتوں کا حل تلاش نہ کرنا' غلط نتائج پیدا کرتا ہے۔

ایک اور مجلس کا ذکر کرتے ہوئے صاحب کتاب لکھتے ہیں کہ اباجی نے حضرتؒ کی خدمت میں عرض کی کہ میں حضرت والا کی خدمت میں تیسرا چلّہ پورا کر رہا ہوں اور پھر مجھے تبلیغی چلّے پر جانا ہے۔ اس موقع پر میں دو چیزوں کا خاص علاج چاہتا ہوں' ایک اندرونی غصہ اور دوسرے وساوس۔ میں چاہتا ہوں کہ مزاجِ نبویؐ کے مطابق دین کی تبلیغ کی جائے' مگر لوگوں سے تبلیغی تعلق میں غصہ اور وسوسے آڑے بنتے ہیں۔ حضرت رائے پوریؒ نے فرمایا کہ کوشش کرنے سے فوراً تو نہیں لیکن بتدریج یہ کم ہو جائیں گے اور خدا کو منظور ہو گا تو یہ مرض بالکل جاتے رہیں گے' ورنہ دب تو جائیں گے۔ اور پھر از راہِ مزاح حضرتؒ نے اباجی کو فرمایا کہ تین چلے پورے ہو جانے پر تبلیغ میں لگ جانا' ورنہ پھر اوروں کی طرح یہاں پڑے رہنے کی عادت پڑ جائے گی۔

رمضان المبارک کے فوراً بعد صبح کی ایک مجلس میں حضرت رائے پوریؒ کے ارشاد پر اباجی نے ایک واقعہ عرض کیا کہ میں پچھلے دنوں سرگودھا میں تھا۔ وہاں کے ایک متموّل سکھ نے وہاں کی جامع مسجد کے خطیب کے پاس حاضر ہو کر بڑی الحاح و زاری سے عرض کیا کہ مجھے دائرہ اسلام

میں داخل کرلیں۔ مولانا صاحب تیار بھی ہو گئے' مگر کچھ لوگ آڑے آ گئے کہ یہ سکھ اپنا مال بچانے کے لیے مسلمان ہو رہا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو ہم اس کا اسلام قبول نہیں کریں گے۔ عوام بھی ان لوگوں کے ساتھ ہو گئے۔ اس پر مولانا صاحب اس کام سے رک گئے۔ اس پر اباجی بڑی مشکل سے ان مولانا صاحب کے پاس پہنچے اور عرض کی کہ کسی شخص کو دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی درخواست کو رد کرنے کا آپ کو شرعاً کوئی اختیار نہیں' مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اس پر حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ وہ مولانا صاحب تو بڑے فاضل ہیں' ان کو کیا ہوا؟ اس کام میں تو ان کو اپنی جان لڑا دینی چاہیے تھی کہ متعلقہ شخص جب اقلیت میں سے ہے اور اسلام قبول نہ بھی کرے' تو بھی شرعاً اس کی حفاظت مسلمانوں کا فرض ہے۔ اور جب وہ اسلام قبول کرنا چاہتا ہے تو پھر اس کی درخواست رد کرنے کا کسی کو کیا اختیار ہے؟

اس کے علاوہ بھی حوالہ شدہ کتاب میں اباجی کا کئی جگہ ضمناً ذکر آیا ہے اور حضرت رائے پوریؒ کے خلفاء کی فہرست میں بھی اباجی کا نام شامل ہے۔

اباجی کی حضرت رائے پوریؒ سے خط و کتابت کا سلسلہ بھی رہا۔ مگر افسوس کہ ریکارڈ میں اباجی کے خطوط کے جواب میں صرف دو پوسٹ کارڈ ۶۰-۱۹۵۹ء کے ملتے ہیں۔ ایک میں اورادکی پابندی اور توجہ الی اللہ کا ذکر ہے۔ نیز دیکھے گئے خوابوں کے بہتر ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرے میں چچاجی (میاں خورشید حسن) کی وفات پر دعائے مغفرت اور اباجی کو صبر کی تلقین کی گئی ہے' نیز اس پیش آمدہ آزمائش میں کامیابی کی دعا کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت کی بیماری اور اکثر اوقات بات چیت سے قدرے معذوری کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ (واضح رہے کہ بیماری اور ضعف کی وجہ سے یہ دونوں جوابی کارڈ حضرت والاؒ کی طرف سے دوسروں نے لکھے ہیں۔)

اباجی کے خطوں کے ریکارڈ میں مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ کا ایک جوابی خط (محرر ۱۹۶۵ء) بھی دستیاب ہے' جس میں منجملہ اور باتوں کے حضرت رائے پوریؒ کے حوالے سے ایک دو باتیں عرض ہیں۔ صاحب مکتوب لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ لوگ بزرگوں کے سوانح میں لکھتے ہیں کہ فلاں جگہ' فلاں خاندان میں' فلاں دور میں پیدا ہوئے۔ اور پھر یہ کچھ ہوا۔ یہاں آئے' وہاں گئے' یہ کیا' وہ کیا وغیرہ۔ فلاں سن میں ان کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مگر لکھنے والے ان کے (ان) حالات کو جو خدا نے ان کو بخشے ہیں' کیا سمجھ سکتے ہیں کہ نہ وہ بیان کریں' نہ لکھنے والے احساس کر سکیں' نہ یہ باتیں احاطہ تحریر میں آ سکیں۔ ایک دوسرے موقعہ پر حضرتؒ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت (شاہ

عبدالرحیم) رائے پوریؒ بیمار تھے۔ بیماری کی لاچاری اور درد کی شدت میں بے چین ہو کر خدا کے حضور تڑپ تڑپ کر کراہ رہے تھے۔ (یہ دیکھ کر) میں بے چین ہو گیا اور عرض کیا کہ خدا تعالیٰ آپ سے یہ تکلیف ہٹا کر مجھ کو دے دے۔ جب میں نے چند مرتبہ ایسا کہا تو سنبھل کر (بڑے) حضرتؒ نے فرمایا کہ مولوی صاحب خدا کا جو فضل اس بیماری میں مجھ پر نازل ہو رہا ہے اور جس تڑپ سے (اس ذات نے) مجھے دعا کی توفیق بخشی ہے' بھلا آپ پر یہ کیسے ہو جائے اور مجھے کیسے گوارا ہو کہ (یہ) ہونے والا فضل مجھ پر نہ ہو' کہ در دا ندریں راہ بہتر ز تندرستی!

الغرض اللہ تعالیٰ جس کو رنج و راحت کے وصول کرنے کا سلیقہ اور توفیق بخشے' اس کی حالت اس کے لیے صبر اور شکر کے اعتبار سے دم بقدم ترقی درجات کا سبب بنتی ہے (بشرطیکہ) وہ بیان کیے بغیر اس بننے کے حال و مقام سے آشنا ہو۔ اور جو یہ حال (اور مقام) نہ رکھتا ہو وہ یہ سب کیسے سمجھے اور (پھر) بیان کرنے والے کے الفاظ اس لطف کا احاطہ کیسے کر سکیں!

(صاحبِ مکتوب کا تبصرہ)

نہ تخت و تاج میں' نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے!

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی پیدائش تقریباً ۱۸۷۳ء (مطابق ۱۲۹۰ھ) کو بمقام ڈھڈھیاں (علاقہ سرگودھا) ہوئی۔ خاندانی نام غلام جیلانی تھا۔ مرشد حضرت شاہ عبدالرحیمؒ نے آپ کا نام عبدالقادر رکھا۔ ابتدائی تعلیم ڈھڈھیاں کے نزدیک بھرت شریف اور جھاوریاں میں پائی۔ اس کے بعد تحصیل علم کے لیے سفر کا قصد کیا اور پہلی منزل مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور قرار پائی۔ غالباً ۱۳۱۴ھ کا زمانہ تھا۔ یہاں کے قیام میں ہی (شاید) پہلی مرتبہ حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کی زیارت ہوئی۔ کچھ عرصے بعد پانی پت کا قصد کیا۔ پھر علم کی پیاس آپ کو رام پور لے گئی۔ وہیں کے قیام کے دوران والد صاحب (حافظ احمد صاحبؒ) بھی آپ کی ملاقات کے لیے آئے اور ساتھ چلنے پر اصرار کیا۔ لیکن آپ نے تکمیل علم کے بغیر آنے سے عذر کیا تو والد صاحب بھی خوش ہوئے۔ جاتے ہوئے اتنا وعدہ ضرور لے گئے کہ اپنی خیریت کا خط اور جو کتابیں پڑھتے ہیں' ان کے نام ضرور لکھتے رہا کریں۔

مزید تحصیلِ علم اور طلبِ حدیث کے لیے حضرت نے غالباً ۱۹۰۰-۱۸۹۹ء (۱۸-۱۳۱۷ھ) میں دہلی کا قصد فرمایا اور مختلف علماء حضرات کے حلقوں میں علم کی پیاس بجھاتے رہے۔ کچھ اور

شہروں کے بھی آپ نے علمی اسفار کیے اور بالآخر بریلی کے ایک دواساتذہ کی حاضری میں مختلف کتابیں پڑھ کر حضرت نے غالباً ۰۲-۱۹۰۱ء (۱۳۱۹ھ) میں تحصیل علم کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ بعد میں کچھ ملازمت وغیرہ بھی کی۔ اس دوران اندرونی بے چینی‘ شبہات اور ذہنی کشمکش بھی بڑھتی گئی تو حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کو بیعت کے لیے خط لکھا۔ انہوں نے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے رجوع کرنے کو کہا۔ لیکن آپ نے دوبارہ تحریر کیا کہ میری طبیعت کا رجوع آپ کی طرف ہے‘ آپ کی خدمت میں اپنے قیام وطعام کا میں خود ذمہ دار ہوں گا۔ حضرت کے ذمے میرے حقوق نہیں ہوں گے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ یہ خط دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ لوگوں کو یہ خط دکھلایا اور فرمایا کہ دیکھو یہ ہیں طالب (یعنی ایسے ہونے چاہئیں)۔

رائے پور (علاقہ سہارنپور) حاضر ہونے پر بڑے حضرتؒ نے شاہ عبدالقادرؒ سے فرمایا کہ ایسی بھی جلدی کیا ہے۔ پہلے استخارہ کرلو اور اپنے وطن ڈھڈھیاں سے ہوآؤ۔

بہرحال وطن سے واپس آکر حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے تقریباً ۱۳۲۲ھ یا ۱۳۲۳ھ میں حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ تقریباً چودہ سال حضرت عبدالقادر رائے پوریؒ کا قیام رائے پور اپنے شیخ بڑے حضرت کی معیت میں ان کی وفات ۱۹۱۹ء (مطابق ۱۳۳۷ھ) تک رہا۔ اپنے شیخ کی شب و روز جانفشانی سے خدمت اور اپنے کسبِ فیض کے علاوہ (کھانے پینے کے لحاظ سے) حضرت رائے پوریؒ کا وقت کیسے گزرا‘ اس حوالے سے مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے خود حضرت کے حوالے سے لکھا ہے: ’’(حضرت عبدالقادر رائے پوریؒ) فرماتے تھے کہ مسلسل دس سال ایسے گزرے ہیں کہ ہم لوگوں کو جو طالبین کی حیثیت سے خانقاہ میں رہتے تھے‘ ایک دن میں صرف ایک روٹی مکئی کی ملتی تھی اور وہ بھی درمیان سے بالکل کچی ہوتی تھی۔ جو صاحب پکانے والے تھے‘ انہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ روٹی سکی یا نہیں سکی۔ سالن یا دال ترکاری کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ گاؤں سے کسی دن چھاچھ (لسّی) آجاتی تو کھانے پینے کے لحاظ سے ہم خانقاہ والوں کے لیے گویا وہ عید کا دن ہوتا۔ فرماتے تھے اس علاقے (یوپی) کے ہمارے ساتھی تو وہی ایک روٹی آدھی آدھی کرکے دونوں وقت کھاتے تھے۔ لیکن میں پنجاب کا رہنے والا تھا‘ پہلے ایک ہی وقت میں (وہ روٹی) کھالیتا تھا اور دوسرے وقت بس اللہ کا نام۔‘‘

ایک دوسرے موقع پر حضرتؒ نے فرمایا کہ ایک دومرتبہ ناظم مطبخ سے روٹیوں کے بارے

میں بات ہوئی تو بالآخر انہوں نے جواب دیا کہ میاں! اگر روٹی کھانے آیا ہے تو کہیں اور چلا جا۔ اس کے بعد پھر کبھی ایسی بات نہیں ہوئی۔ حضرتؒ کو ڈر ہوا کہ کہیں بڑے حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کے علم میں یہ بات نہ آجائے اور گوہر مقصود ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔

حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی رحلت کے بعد لوگوں کا رجوع حضرت کے نہ چاہتے ہوئے بھی آپ کی طرف ہوگیا اور جانشینی کے منصب پر آپ فائز ہوگئے۔ خانقاہ رائے پور میں حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے معمولات کم وبیش مختصراً درج ذیل تھے۔ رات کے پچھلے پہر مع اہل خانقاہ اٹھ کر نماز فجر تک تہجد‘ ذکر اور مراقبہ وغیرہ میں مصروف رہنا۔ اذان اور نماز کی ادائیگی کے درمیان چائے‘ بعد میں تقریباً ڈھائی تین میل (آنے جانے) کی سیر اور قرآن پاک پڑھنے کا معمول‘ واپسی پر وضو کرکے پھر ذکر اور مراقبہ وغیرہ‘ تقریباً ساڑھے دس‘ گیارہ بجے کھانا اور عام مجلس‘ قریباً بارہ بجے آرام‘ نماز ظہر کی ادائیگی‘ نماز کے بعد تخلیہ (یعنی حضرت رائے پوریؒ کے خصوصی معمولات)‘ نماز عصر سے کچھ پہلے باہر آمد اور اخبارات کی اہم خبریں سننا وغیرہ‘ نماز کی ادائیگی کے بعد عام مجلس جس کا کوئی مستقل خاص موضوع نہیں تھا‘ سوال و جواب اور استفسار وغیرہ۔ نماز مغرب کے بعد اہل خانقاہ تو نوافل و ذکر میں مشغول ہو جاتے اور حضرت رائے پوریؒ کا یہ وقت خصوصاً ان طالبین کے لیے مخصوص تھا جو پہلے سے وقت لے کر اپنے ذکر وسلوک کے بارے میں کچھ دریافت کرنا چاہتے یا جنہوں نے اپنی کسی خاص حالت اور کیفیت کو عرض کرنا اور رہنمائی حاصل کرنا ہوتی۔ نماز عشاء کی اذان اول وقت ہوجاتی۔ نماز کی ادائیگی کے متصلاً بعد رات کا کھانا ہوتا۔ اس کے بعد جلدی سونے کا اہتمام ہوتا تاکہ آخری پہر جلد اٹھا جاسکے۔ (جاری ہے)

شرک کی حقیقت، اقسام اور دورِ حاضر
کے شرک سے واقفیت کے لیے مطالعہ کیجیے

حقیقت و اَقسامِ شرک

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اشاعت خاص 100 روپے، اشاعت عام 60 روپے

Ag. 2016
Vol. 65

Monthly Meesaq Lahore

Regd. CPL No. 115
No. 8

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام

بانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کُلّیۃ القُرآن لاہور (قرآن کالج)

191۔ اتاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

"تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو خود قرآن سیکھتے ہیں اور دوسروں کو قرآن سیکھاتے ہیں۔" (حدیث نبوی ﷺ)

عصری تعلیم مع درس نظامی (آٹھ سالہ کورس) کے پہلے سال میں

داخلے شروع

اہلیت برائے داخلہ

☆ میٹرک پاس (کم از کم 45 فیصد نمبر)
☆ میٹرک کے نتائج کا انتظار کرنے والے طلبہ بھی داخلہ فارم جمع کروا سکتے ہیں۔ تاہم ان کا داخلہ میٹرک کے نتائج میں پاس ہونے پر ہی کنفرم ہوگا۔ فیل ہونے کی صورت میں داخلہ منسوخ کر دیا جائے گا۔
☆ داخلے کے خواہش مند طالب علم کا ناظرہ قرآن پڑھنا ضروری ہے۔ حافظ قرآن طالب علم کو ترجیح دی جائے گی۔
☆ پہلے سے صوم صلوٰۃ کے پابند طلبہ کو داخلے میں ترجیح دی جائے گی۔
☆ داخلے کی درخواست صرف پاکستان کے مرد شہری مسلمان طلبہ ہی دے سکتے ہیں۔ غیر ملکی طلبہ کو داخلہ نہیں دیا جائے گا۔
☆ عمر 15 تا 18 سال۔ تاہم حفاظ طلبہ کو عمر میں دو سال کی رعایت دی جا سکتی ہے۔

خصوصیات

☆ درس نظامی کی دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ایف اے، بی اے اور ایم اے کی ریگولر کلاسز۔
☆ وفاق المدارس العربیہ اور لاہور بورڈ، پنجاب یونیورسٹی کا نصاب۔
☆ ذہین اور مستحق طلبہ کے لیے مکمل یا جزوی کفالت کی سہولت۔

شیڈول برائے داخلہ

داخلے یکم اگست 2016ء تک جاری رہیں گے۔
تاہم لیٹ فیس کے ساتھ 20 اگست تک درخواست دی جا سکتی ہے۔

برائے معلومات

دفتری اوقات کے دوران 042-35833637
دفتری اوقات کے بعد 0301-4882395

الداعی الی الخیر
حافظ عاطف وحید، ناظم تعلیمات